اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البُرہان

لاہور

اگست ۲۰۱۰ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ البرہان

جلد ۱۴، شمارہ ۱۸، اگست ۲۰۱۰ء

مشمولات

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ مُرْسٰھَا		۲
البرہان کی پالیسی	مدیر	۴-۲
O قرآن حکیم		
ترکِ قرآن ــ غفلت و بے حسی	ڈاکٹر محمد امین	۵
O سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم		
توہین رسالت کے خلاف ردِ عمل کو مؤثر کیسے بنایا جائے؟	ڈاکٹر محمد امین	۶
O دینی تناظر		
رمضان: تقویٰ کا موسم بہار	امام غزالیؒ	۱۸
علماء کرام کے نام ایک اہم پیغام	شاہ ولی اللہؒ	۲۰
O معاشرت		
بے حیائی کے خلاف ردِ عمل [کا] ریکر دھماکے	ڈاکٹر محمد امین	۲۲
O تزکیہ و تربیت		
اکتسابِ فضائل (۱)	علامہ احمد جاوید	۲۷
ترکِ رذائل: کسل اور اس کا علاج	علامہ احمد جاوید	۳۳
انسانی فکر و عمل میں 'قلب' کا بنیادی کردار تازہ ترین مغربی سائنسی تحقیق (۱)	ڈاکٹر مشتاق گوہر	۳۸
O تفہیم مغرب		
مغربی فکر کی اساسیات	ڈاکٹر محمد امین	۴۱
O ہماری سرگرمیاں: تعلیم و تربیت		
تحریک اصلاح تعلیم (ٹرسٹ)	ادارہ	۴۶
O ہماری سرگرمیاں: اتحاد امت		
ملی مجلس شرعی	ادارہ	۵۸

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ مُرْسٰھَا

○ البرہان کا پہلا شمارہ حاضر خدمت ہے۔ ہم نے البرہان کا ڈیکلریشن چونکہ ۱۹۹۶ء میں لیا تھا اس لئے قانونی وتکنیکی لحاظ سے یہ جلد ۱۴ کا شمارہ ۸ ہے۔

○ رسالے پر تبصرہ ضرور کیجئے تا کہ ہمیں آپ کی رائے سے آگاہی رہے اور اس میں بہتری لائی جا سکے۔

○ جن اصحاب کے بارے میں ہمارا یہ گمان ہے کہ وہ البرہان کے قاری یا مخاطب ہو سکتے ہیں ہم انہیں پرچہ مستقل بھجواتے رہنے کی کوشش کریں گےلیکن اگر آپ کے پاس نمونے کا پرچہ پہنچے اور آپ اسے مستقل پڑھنا چاہیں تو ادارے کو ضرور مطلع کریں ورنہ ممکن ہے پرچہ آپ کو دوبارہ نہ بھیجا جائے۔

○ ہم نے محض اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنی مادی وعلمی بے بضاعتی کے باوجود بطور مشن البرہان کا اجراء کیا ہے۔ اگر آپ کو پرچے کے مشمولات پسند آئیں اور مفید لگیں تو اسے زندہ رکھنے میں ہمارا ہاتھ ضرور بٹائیے۔

البرہان کی پالیسی

۔ البرہان ایک اصلاحی و دعوتی جریدہ ہے، تاہم دعوت و اصلاح میں اس کا اسلوب علم وفکر و تحقیق سے مَس رکھنے والا ہوگا۔

۔ تعلیم (عصری و مذہبی) وتربیت ، تزکیہ اور میڈیا سے متعلق اداروں کی اصلاح اس کی ترجیح اوّل ہے کیونکہ یہ وہ ادارے ہیں جو ذہن سازی بلکہ انسان سازی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

۔ یہ کسی خاص دینی اور سیاسی مسلک کا نمائندہ اور علمبردار نہیں بلکہ اتحاد بین المسالک ، اتحاد بین العلماء اور اتحاد امت کا نقیب ہے۔

۔ البرہان اختلاف فکر ونظر کی بنیاد پر کسی دینی جماعت/تحریک/تنظیم/ادارے کی نہ تو مخالفت کرے گا اور نہ ان کا حریف ہوگا بلکہ ہمارا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔ ہاں! اخلاص اور دردمندی سے بعض اصلاحی مشورے ان کی خدمت میں ضرور پیش کیے جا سکتے ہیں۔

۔ فقہی، کلامی اور اختلافی امور میں البرہان کی پالیسی تجدد و تجمد سے بچتے ہوئے اعتدال پسندی کی ہوگی۔

۔ مغربی فکر وتہذیب کی گمراہی اور نارسائی مسلمانوں پر واضح کرنا اور انہیں اس کے چنگل سے نکالنا البرہان کا اہم ہدف ہوگا کیونکہ اس کے بغیر عصر حاضر میں اسلام کی صحیح تفہیم اور اس پر عمل ممکن ہی نہیں۔

۔ اسلاف اور جمہور کی راہ پر چلنا البرہان کی ترجیح ہے تاہم یہ ترجیح اس امر کی نقیض نہیں ہے کہ محدثات اور عصری امور و مسائل میں فکری حریت اور اجتہادی اسلوب سے کام نہ لیا جائے۔

البرہان کی یہ پالیسی جن اصولوں پر مبنی ہے وہ یہ ہیں:

۔ اسلام کا اولین مخاطب فرد ہے اور فرد ہی اپنے اعمال کے لئے اللہ کے حضور جواب دہ ہوگا اس لئے فرد کی اصلاح مقدم اور اہم تر ہے، تاہم اجتماعی اصلاح بھی اہم ہے اور اس کے لئے جدوجہد بھی دین میں مطلوب ہے۔

جس چیز کو ہم نے 'اجتماعی اصلاح' کہا ہے بعض لوگ اسے غلبۂ دین، اسلامی انقلاب، نفاذِ شریعت، نظام خلافت، قیام اسلامی ریاست اور نظام مصطفی۔۔۔۔وغیرہ بھی کہتے ہیں اور جسے ہم نے 'جدوجہد' کہا ہے شرعی اصطلاح میں اسے جہاد کہتے ہیں جو تزکیۂ نفس، دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور انفاق فی سبیل اللہ سے لے کر قتال تک کو محیط ہے اور قتال حسب حالات دفاعی بھی ہوسکتا ہے یعنی مسلم ریاست و معاشرے کے تحفظ و دفاع کے لئے اور ہجومی بھی یعنی غیر مسلموں تک دین پہنچانے میں مزاحمت کو توڑنے کے لئے۔

۔ فرد کی اصلاح کا قرآنی نسخہ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفس ہیں۔ گہری نظر سے دیکھیں تو تعلیم کتاب وحکمت بھی ذریعہ ہے جس کی آخری غایت تزکیہ نفس ہی ہے۔

۔ مسلمانوں کے زوال کے بنیادی اسباب دو ہیں: داخلی لحاظ سے دین سے عدم وابستگی اور خارجی لحاظ سے دنیا میں مغربی فکر وتہذیب کی بالادستی اوراس کی اسلام ومسلم دشمنی اورانہی دو موانع کے دور کر سکنے پر منحصر ہے مسلمانوں کی دنیوی اور اخروی کامیابی، انفرادی واجتماعی فلاح اور امت مسلمہ کی نشأۃ ثانیہ اوراس کی عظمت گم گشتہ کا حصول۔

۔ قرآن وسنت ہمارے دین کی بنیاد ہیں اور ان کی وہی تعبیر معتبر ہے جو اسلاف و جمہور سے منقول چلی آرہی ہے اور جو ہمارے دین کا مرکزی دھارا (یعنی مین اسٹریم اسلام) ہے۔

۔ فقہی اور کلامی مسالک فہم دین کے اجتہادی مکاتب فکر ہیں۔ یہ دین نہیں ہیں اور نہ انہیں مدار دعوت اور سبب تحزب وتعصب بنا کر امت میں تفرقے کا سبب بننا چاہئے۔

۔ مسلمانوں میں اخوت ومحبت کو فروغ دینا اور امت میں اتحاد پیدا کرنا ایک دینی تقاضا ہے۔

۔ اجتہاد اسلام کے مستقبل کا ضامن ہے اوراسی پر دین کے تسلسل کا مدار ہے۔

۔ مسلم امت، معاشرے اور ریاست کی اصلاح پُرامن ذرائع ہی سے ہونی چاہئے۔

اے اللہ! ہم کمزور ہیں، علمی و روحانی لحاظ سے بھی اور مالی اور مادی لحاظ سے بھی۔ آپ سے التجا ہے قبولیت کی اور اخلاص کی تاکہ یہ ٹوٹی پھوٹی کوشش جاری رہ سکے اور مؤثر ہو سکے۔

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل، نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

محمد امین

قرآن حکیم

ترکِ قرآن ۔ غفلت و بے حسی

دنیا میں ہم مسلمانوں کی ذلت و رسوائی اور ضعف کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے جو ہمارے دین کا بنیادی ترین ماخذ ہے، جو منبع ایمان ہے اور منبع قوت بھی۔ ہمارے اسلاف اس لئے معزز اور صاحب سطوت وقوت تھے کہ انہوں نے قرآن کو پکڑ رکھا تھا اور ہم اس لئے کمزور اور خوار و زبوں ہیں کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔

ہمارے عوام کا یہ حال ہے کہ تقریباً آدھی آبادی کو قرآن پڑھنا نہیں آتا۔ جن کو پڑھنا آتا ہے وہ سمجھ نہیں سکتے کہ کیا پڑھ رہے ہیں اور ایسے لوگ جو قرآن کو پڑھتے ہوئے سمجھتے ہیں ہمارے معاشرے میں شاید ایک فی صد بھی نہیں۔ ہمارے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا یہ حال ہے کہ وہاں قرآن داخل نصاب نہیں اور جو دیگر علوم وہاں پڑھائے جاتے ہیں وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق نہیں۔ ہمارے دینی مدارس کی یہ صورت ہے کہ وہاں قرآن حکیم کو اتنا وقت اور توجہ بھی نہیں دی جاتی جتنی مثلاً عربی زبان اور حدیث کو دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جو طلبہ قرآن حفظ کرتے ہیں ان کی اکثریت بھی اس کو نہیں سمجھتی۔ ہمارے علماء اور قاری حضرات مسجدوں میں اور لوگوں کے گھروں میں جا کر بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں لیکن صرف ناظرہ پڑھنا سکھاتے ہیں، ترجمہ نہیں سکھاتے۔ ہمارے ہر محلے میں مسجد موجود ہے (الحمدللہ و ماشاء اللہ) لیکن یہ مسجد قرآن سکھانے کا مرکز نہیں ہے۔ اس میں قرآن سکھانے کا اتنا اہتمام بھی نہیں ہوتا جتنا اس فقہی مسلک کا ہوتا ہے جس کے مبلّغ مسجد کے امام اور خطیب صاحب ہوتے ہیں۔ ہمارے صوفی اللہ ھو کی ضربیں لگا کر لوگوں کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس تزکیے میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

قرآن سے غفلت کے جرم میں ہم سب شریک ہیں۔ کاش ہم سمجھتے کہ قرآن کو چھوڑنے کا نتیجہ دنیا و آخرت دونوں کی رسوائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن سے جڑنے اور جوڑنے کی توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔

سیرتِ رسول ﷺ

ڈاکٹر محمد امین

توہین رسالت کے خلاف ردعمل کو مؤثر کیسے بنایا جائے؟

اس حقیقت سے ہر مسلمان اور ہر پاکستانی واقف ہے کہ امریکہ اور یورپ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اگرچہ ہم مغرب کی طاقت سے خوفزدہ ہوکر، اس کی غالب فکر و تہذیب سے مرعوب ہوکر، اس کی زبردست پروپیگنڈا مشینری سے متاثر ہوکر، بین الاقوامی سطح کے سیاسی پلیٹ فارموں پر 'ڈپلومیٹک' (یعنی منافقانہ)انداز اختیار کرتے ہوئے اور گلوبلائیزیشن اور مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کے علمی پلیٹ فارموں پر معروضی انداز اختیار کرنے کے زعم میں بالعموم اس کا اظہار نہیں کرتے یا نہیں کر پاتے۔اور یہ بات آج کی نہیں صدیوں پرانی ہے بلکہ مغربی تہذیب کا خمار اٹھا ہی اسلام اور مسلمان دشمنی پر ہے جب 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر لیا اور مشرقی رومن کیتھولک ہیڈ کوارٹر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو وہاں سے نکلنے والے عیسائی پادریوں نے سارے یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریروں سے آگ لگا دی اور اس سے یورپ کی نشأۃ ثانیہ نے تحریک پکڑی۔متحدہ یورپ کی طرف سے شروع کردہ صلیبی جنگیں بھی اسی کا مظہر تھیں اور یہ بھی اسی کا شاخسانہ تھا کہ یورپ نے مسلمانوں کو باہم لڑانے کے لئے سازشیں کیں اور انہیں کمزور کر کے اپنی برتر فوجی قوت سے انہیں بہیمیت سے کچلا اوران کے ملکوں پر قبضہ کرلیا۔ پھر مسلم تہذیب کی ایک ہزار سالہ خوشحالی سے جمع کردہ مسلمانوں کی دولت اور مادی وسائل کو بے دردی سے لوٹا اور ان سے سائنس وٹیکنالوجی کو ترقی دے کر اپنے رخساروں کی لالی میں اضافہ کیا۔ وسط بیسویں صدی میں باہم دو عظیم جنگوں سے جب یورپ کمزور ہوگیا تو اسے مجبوراً مسلم ملکوں کو آزادی دینا پڑی۔ اس ادھوری اور نام نہاد آزادی کے بعد بھی امریکہ و یورپ کی مسلمان ملکوں کے خلاف پُرامن سازشیں اور پلاننگ جاری رہی اور وہ انہیں سیاسی، معاشی، دفاعی، تعلیمی غرض ہر لحاظ سے پیچھے رکھنے کے لئے کامیاب کوششیں کرتے رہے۔ان

سازشوں کے باوجود جب چند مسلم ممالک بطور استثنیٰ کچھ بہتر حالت میں آگئے (جیسے پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا، ملائشیا اقتصادی طور پر اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا، عراق دفاعی طور پر مضبوط ہوگیا، افغانستان نے حقیقی اسلامی حکومت قائم کرلی) تو امریکہ نے یورپ کو ساتھ ملا کر حیلے بہانے سے پہلے عراق کو برباد کیا، پھر افغانستان کو تہہ و بالا کیا اور اب پاکستان پر حملے ہو رہے ہیں اور ایران پر بھی مستقل دباؤ جاری ہے۔

اس ساری صورت حال کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ امریکہ و یورپ اسلام کے بدخواہ اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ 9/11 کا واقعہ سی آئی اے اور موساد کی ایک وسیع الاطراف سازش تھی جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک پر حملہ کر دیا جائے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مغربی رائے عامہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کر دیا جائے تاکہ اہل مغرب ان مسلمانوں سے اور ان کے دین سے نفرت کرنے لگیں جو وہاں مقیم ہیں اور یوں انہیں اسلام اور مسلمانوں سے دور رکھا جاسکے تاکہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔ اس مہم کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے کم نظر ادیبوں، صحافیوں اور دانشوروں نے اسلام اور مسلم دشمن کاروائیاں شروع کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی اور آپؐ کی سیرت کو بگاڑ کر پیش کرنے کا کام تو وہ صدیوں سے کرتے آرہے تھے اب تازہ حالات میں انہیں نئی کمک ملی تو وہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخبارات و انٹرنیٹ پر کارٹون بنانے لگے، فلمیں بنانے اور مضامین لکھنے لگے اور یوں مسلمانوں کو مشتعل کر کے اور ان کا مذاق اڑا کر اپنی حسِ باطل کو تسکین دینے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی حکومتوں نے اپنے اسلام دشمن اقدامات الگ جاری رکھے جیسے فرانس اور جرمنی میں حجاب پر پابندی اور سوئٹزرلینڈ میں مسجد کے میناروں پر پابندی ۔۔۔وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان اس صورت حال سے کس طرح مؤثر طریقے سے نمٹ سکتے ہیں کہ اہل مغرب اپنی کمینی حرکتوں سے باز آجائیں اور انہیں احساس ہو جائے کہ وہ غلط کر رہے ہیں اور ان کے اس اقدام سے کروڑوں مسلمانوں کے دل چھلنی ہو رہے ہیں؟ اس سوال کا

جواب دیتے ہوئے ہم عرض کریں گے کہ مسلمان اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کا جواب دینے کے لئے دوطرح کے اقدامات کر سکتے ہیں: ایک فوری نوعیت کے اقدامات اور دوسرے دیر پا اور دور رس اثرات رکھنے والے اقدامات۔

فوری اقدام کے طور پر جو احتجاج کیا جائے اس کے خدوخال یہ ہونے چاہئیں:

۱۔ عوامی احتجاج، جس میں تین خصوصیات ہوں:

۔احتجاج میں لاکھوں افراد شریک ہوں

۔ یہ پُرامن ہو

۔ یہ عالمی سطح کا ہو

۲۔ حکومتی سطح پر احتجاج

۳۔ استغفار

اب ہم ان نکات پر کچھ روشنی ڈالیں گے:

عوامی احتجاج

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے جواب میں بھرپور عوامی احتجاج ہونا چاہئے لیکن اس احتجاج کے مؤثر ہونے کی تین شرائط ہیں:

۱۔ اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدام پر احتجاج کرتے ہوئے عوامی سطح پر بڑے بڑے اور پُرامن مظاہرے ہونے چاہئیں جن میں لاکھوں افراد شریک ہوں اور جن کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر پبلسٹی کا بھرپور انتظام ہو۔ پاکستان میں اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ سارے دینی عناصر یکجا اور متحد ہوجائیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر جماعت اور تنظیم اپنی اپنی پارٹی کے جھنڈے اور بینرز اٹھائے ہوئے چندسو کی تعداد میں سڑکوں پر نکلتی ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریلیاں ایک طرف عالمی سطح پر (یادر ہے کہ یہ کوئی مقامی مسئلہ نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ ہے اور ہمیں اس طرح سے احتجاج کرنا ہے جس کے اثرات یورپ و امریکہ تک پہنچیں) کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑتیں (اگرچہ نہ ہونے سے بہرحال بہتر ہیں لیکن

یورپ و امریکہ میں دیکھیئے کہ مثلاً عراق پر امریکی حملے کے خلاف وہاں لاکھوں افراد کے مظاہرے ہوئے) دوسری طرف یہ ہمارا پول کھولتی ہیں کہ ہم اپنے نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ناموس کے لئے بھی متحد نہیں ہوسکتے اور ہر چھوٹی بڑی جماعت کو اپنا تشخص اور اپنا نام اتنا عزیز ہے (یعنی ناموس رسالت سے بڑھ کر عزیز ہے) کہ وہ اس مقصد کے لئے بھی اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے اولاً تو یہ ضروری ہے کہ ساری قوم اور ساری تنظیمیں/ جماعتیں/تحریکیں اور ادارے مل کر اس مقصد سے ایک تنظیم بنالیں اور اس مقصد سے بنائی گئی موجودہ تنظیمیں باہم مدغم ہو کر ایک بڑی تنظیم بن جائیں یا کم از کم وہ اشتراکِ عمل ہی کرلیں۔ لیکن اگر ہم یہ نہیں کرتے تو اس کا کیا مطلب لیا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ ہمیں ناموس رسالت کے مقابلے میں اپنی تنظیم، جماعت اور اپنے مسلک کا تشخص زیادہ عزیز ہے، العیاذ باللہ۔

ہمیں یاد ہے کہ ماضی میں بعض سیاسی جماعتوں کی دیکھا دیکھی بعض دینی جماعتوں نے بھی اپنی قوت کے اظہار کے لئے ملین مارچ کئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سوال کا سامنا کرنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنی جماعت کی ساکھ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حرمت سے بھی زیادہ عزیز ہے کہ ہم اپنی سیاسی ساکھ کیلئے تو ملین مارچ کا اہتمام کرتے ہیں لیکن اس پیغمبر کی بے حرمتی ہو جس سے محبت ہمارا جزو ایمان ہے تو اس کے لئے ہم چند سو افراد کی ریلی نکال کر مطمئن ہوجائیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ اس کے لئے ساری قوم کو متحد ہو کر نکلنا چاہئے جس طرح کہ ماضی میں شان اسلام کا جلوس نکلا تھا۔

۲۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ احتجاج پُر امن ہو۔ ٹریفک کے اشارے توڑنا، گاڑیوں پر پتھراؤ کرنا، دکانوں، بنکوں اور اقوام متحدہ و مغربی ممالک سے متعلق دیگر عمارات کو آگ لگانا یا متعلقہ ممالک کے پرچم یا پتلے جلانا۔۔۔جیسے اقدامات احمقانہ ہیں کیوں کہ ہم ان سے نہ صرف اپنا مالی نقصان کرتے ہیں بلکہ اہل مغرب کو یہ پیغام بھی دیتے ہیں کہ ہم واقعی تشدد پسند ہیں۔ پھر ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ عوامی تحریکیں اسی وقت کامیاب ہوتی ہیں جب وہ پُر امن

ہوں۔ جو تحریک تشدد پر اتر آئے وہ ناکام ہو جاتی ہے کیونکہ ریاست کو اسے کچلنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ پاکستان میں حال ہی میں کامیاب ہونے والی وکلاء تحریک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

۳۔ اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف احتجاج مقامی یا ملکی سطح کا نہیں بلکہ عالمی سطح کا ہونا چاہئے۔ یہ عالم اسلام کے ہر ملک میں ہونا چاہئے اور ان ملکوں میں بھی ہونا چاہئے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کیونکہ ایک مسلمان جہاں بھی ہو جب اس کے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی توہین ہو گی تو اس کا دل دکھے گا۔ کسی ایک یا دو ملکوں میں احتجاج ہونا بے معنی بھی ہے اور بے تکا بھی جسے غیر مسلم دنیا نہیں سمجھ سکے گی کیونکہ اگر مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہوئی ہو تو یہ ہر مسلمان کا اور ہر مسلمان ملک کا مسئلہ ہونا چاہئے نہ کہ محض کسی ایک یا دو ملکوں کا۔ مثلاً حال ہی میں فیس بک پر کارٹون بنانے کے مقابلے کا اعلان ہوا تو احتجاج صرف پاکستان میں ہوا یا تھوڑا بہت بنگلہ دیش میں، عالمی سطح پر یہ احتجاج بہرحال اپنے اثرات کے حوالے سے زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوا کیونکہ دوسرے مسلم ممالک اس میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ بلکہ اس سے پاکستان کے بارے میں یہ تاثر لازماً دنیا تک پہنچا ہوگا کہ یہاں کے عوام دوسروں سے زیادہ جذباتی اور انتہا پسند ہیں۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ عالم اسلام میں عوامی سطح پر رابطے اور تعاون کی جو دو تنظیمیں تھیں وہ دونوں غیر فعال ہو چکی ہیں۔ ہماری مراد مؤتمر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی سے ہے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا کہ وہ ایک نئی تنظیم بنائیں۔ اس کی فطری صورت تو یہی ہے کہ پہلے پاکستان میں ایک ایسی تحریک حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنے جس میں یہاں کے سارے دینی اور شہری عناصر شریک ہوں۔ پھر یہ تحریک دوسرے مسلم ممالک کی دینی تحریکوں اور اسلامی عناصر سے رابطہ کرے اور اس طرح ہر مسلمان ملک میں ایک تحریک حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وجود میں آجائے۔ پھر ان ساری حرمت تحریکوں کا ایک ہیڈ آفس بنا دیا جائے۔ اس طرح سارے مسلم ممالک کی تحریک ہائے حرمت

رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک نیٹ ورک وجود میں آجائے۔ اس نیٹ ورک کو ان ممالک میں بھی پھیلا دیا جائے جہاں مسلمان بڑی اقلیتوں کی صورت میں ہیں۔ یہ نیٹ ورک اگر بن جائے اور ایک عالمی تحریک حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وجود میں آجائے جس کی ایک کال پر ساری دنیا میں توہین رسالت کے خلاف احتجاج منظم ہوجائے تو پھر یہ احتجاج ان شاء اللہ مؤثر بھی ہوگا۔

حکومتی سطح پر احتجاج

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف صرف عوامی سطح پر احتجاج کافی نہیں بلکہ مسلم حکومتوں کو بھی اس پر احتجاج کرنا چاہیئے۔ مسلمان حکومتوں کی تنظیم او آئی سی کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے حالات میں فوراً حرکت میں آئے اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہ مسئلہ اٹھائے۔ سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلوائے اور اس سے پہلے دباؤ بڑھانے کے لئے عالم اسلام کے وزراء خارجہ کا ہنگامی اجلاس بلائے۔ اس کے سربراہی اجلاس میں اس مسئلے کو فوقیت دے۔ اصولاً تو یہ سب ہونا چاہیئے لیکن عملاً ایسا ہوتا نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ او آئی سی غیر فعال ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ گہری نیند میں ہے۔ اس کا سبب بھی ہم سب کو معلوم ہے کہ سعودی عرب، پاکستان اور دوسرے بہت سے اسلامی ملکوں کے حکمران امریکہ و یورپ کے لے پالک اور گماشتے ہیں۔ ان کی حیثیت غلاموں کی سی ہے جو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف گردن بھی نہیں ہلا سکتے۔ اس غلامی نے انہیں دینی حوالے سے بھی بے حمیت بنا دیا ہے یہاں تک کہ وہ جس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کی توہین پر بھی امریکہ و یورپ سے شکایت نہیں کر سکتے۔ اسی ذہنی و سیاسی غلامی کا یہ بھی شاخسانہ ہے کہ اقوام متحدہ میں دنیا کے پونے دو ارب مسلمانوں کی اور ان کی نمائندہ تنظیم او آئی سی کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہاں تک کہ وہ سلامتی کونسل کے رکن بھی نہیں۔ ان حالات میں اب اس کا کوئی حل نہیں سوائے اس کے کہ ان مسلمان ملکوں کی دینی جماعتیں اور تنظیمیں متحد ہو کر اور بڑے بڑے مظاہرے کرتے ہوئے اپنی اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ متعلقہ مغربی ممالک سے اور اقوام متحدہ سے رسمی طور پر اور سرکاری سطح پر شدید احتجاج کریں۔

امت کے اہل فکر و تدبر اور دانشوروں کو اس پر بھی سوچنا چاہئے کہ مسلم امت میں عوام اور ان کے حکمرانوں میں بُعد کو کیسے ختم کیا جائے اور مسلم عوام اور حکمرانوں کو مغرب کی ذہنی، فکری، سیاسی اور معاشی غلامی سے کیسے نجات دلائی جائے؟ اس غرض سے مسلم امہ کو اپنے ہاں تحقیقی ادارے اور تھنک ٹینک قائم کرنے چاہئیں تا کہ امت مسلمہ کے زوال سے نکلنے اور سر اٹھا کر جینے کی حکمت عملی پر بحث و تحقیق اور منصوبہ بندی کا آغاز ہو سکے اور اس کے لئے ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔

استغفار و توبہ

نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہانت ہم مسلمانوں کے لئے کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ یہ بہت بڑا سانحہ اور مصیبت ہے اور یہ ہمارے گناہوں اور اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام کی نافرمانی اور معصیت کا نتیجہ ہے لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور کثرت سے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے، توبہ کرنی چاہئے اور اصلاح احوال کی فکر کرنی چاہئے۔ جو دینی تحریکیں اور تنظیمیں حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سلسلے میں جلسے جلوس نکالتی ہیں انہیں چاہئے کہ وہ جلسے جلوسوں میں درود شریف پڑھنے کے ساتھ استغفار کا ورد بھی کروائیں اور ہو سکے تو اجتماعی توبہ کے دو نفل بھی پڑھے جائیں تا کہ مسلمانوں کو احساس ہو کہ ان کی اس مصیبت کا اصل سبب ان کی دین سے دوری اور اللہ و رسول کی نافرمانی ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں بے وقعت ہو کر رہ گئے ہیں یہاں تک کہ ان کے دشمن ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مضحکہ اڑانے کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور آئے روز یہ کام کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اصولی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دین سے محکم وابستگی اختیار کرنی چاہئے تا کہ دنیا میں بھی ان کی عزت و وقار ہو اور آخرت میں بھی وہ سرخرو ہوں۔

یہ تھے وہ چند اقدامات جو ہماری رائے میں مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے کسی اقدام کے نتیجے میں مسلمانوں کو فوراً روبہ عمل لانے چاہئیں۔ اب آیئے اُن دور رس اقدامات کی طرف جو مسلمانوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر اور منصوبہ بندی سے کرنے چاہئیں

تاکہ مستقبل میں اس قسم کے واقعات کی حوصلہ شکنی ہوسکے۔ اس غرض سے مسلمانوں کو اہل مغرب کی دشمنی کے پیچھے پوشیدہ اُن غیر اعلانیہ اور غیر تحریری مقاصد و اہداف کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہماری طالب علمانہ رائے میں یہ ہیں:

۱۔ مغربی منصوبہ سازوں کی خواہش یہ ہے کہ مغرب میں اسلام کو پھیلنے سے روکا جائے۔ اس غرض سے وہ مسلمانوں اور ان کے دین و پیغمبر کو دہشت گرد اور دہشت گردی کا حامی اور علمبردار ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ مغربی عوام اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہوجائیں، اسلام کا ہمدردانہ مطالعہ نہ کرسکیں اور یوں ان کے اسلام قبول کرنے کے مواقع کم ہوجائیں۔

۲۔ مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدامات کے جواب میں اگر مسلمان ردعمل کا شکار ہوکر مشتعل ہوجائیں تو انہیں انتہاپسند اور دہشت گرد قرار دیا جائے اور ان پر معاشی پابندیاں لگا کر ان کی اقتصادی حالت کو تباہ کیا جاسکے اور ان پر حملے کر کے ان کا سارا ترقیاتی ڈھانچہ تباہ کر دیا جائے تاکہ وہ ترقی کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں اور اپنی اقدار کے مطابق زندگی نہ گزار سکیں اور مغرب کو ایسے پُرامن اقدامات (مثلاً تعلیم و میڈیا کے ذریعے) کا مزید موقع مل جائے جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کی ذہن سازی کر سکے اور ان کے دل و دماغ فتح کر سکے تاکہ مسلمان مغربی فکر و تہذیب کے شائق و پرستار بن جائیں اور فکری و عملی لحاظ سے مغرب کے غلام بنے رہیں اور اسلام کی طرف لوٹنے کے خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔

اہل مغرب کے مقاصد کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی طریق کار کو بھی سمجھنا چاہئے تاکہ ہم ان کا مؤثر تدارک کرسکیں۔ اس حوالے سے دو باتیں اہم ہیں:

۱۔ اہل مغرب کی دلیل یا ادعا یہ ہے کہ آزادیٔ اظہار رائے ہر آدمی کا بنیادی حق ہے لہٰذا ہمارا رویہ تو صحیح ہے اور غلط رویہ خود مسلمانوں کا ہے جو اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرسکتے۔ ظاہر ہے ان کا یہ موقف محض کٹ حجتی پر مبنی ہے اور دنیا بھر کے اہل علم و عقل جانتے اور مانتے ہیں کہ دوسرے تصورات کی طرح آزادی بھی کبھی لامحدود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ بعض قیود و استثناءات سے گھری ہوتی ہے (جیسا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہوتا ہے اور ٹریفک

قوانین سے لے کر پارلیمنٹ میں اہم امور میں قانون سازی تک ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے) لہٰذا ایک آدمی کو ایسے اظہار کی آزادی کیسے دی جا سکتی ہے جس سے کروڑوں لوگوں کے دل دکھیں اور انہیں تکلیف پہنچے۔ لہٰذا اہل مغرب کا لامحدود اور مادر پدر آزادی کا تصور عقلی و منطقی لحاظ سے بھی غیر معقول ہے اور یہ کوئی جینوئن 'حق' نہیں جس کی حمایت کی جائے۔

۲۔ اہل مغرب کی تکنیک اور نفسیاتی حربہ یہ ہے کہ وہ ہمیں دوڑا دوڑا کر اور تھکا کر نڈھال کرنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس امت کی بقاء اور اتحاد کا ایک بڑا سبب محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے تو اب وہ وقفے وقفے سے توہین رسالت کرتا رہتا ہے تاکہ مسلمانوں کے اندر سے محبت رسول کا بخار بتدریج اتر جائے۔ پہلی دفعہ مسلم دنیا کا ردعمل بہت شدید تھا۔ سارے عالم اسلام میں ہنگامے ہوئے ، متعلقہ ملکوں کے معاشی بائیکاٹ کی تحریک چلی اور بہت سے لوگ شہید ہوئے۔ پھر دوسرے موقعہ پر کم شدید ردعمل ہوا مثلاً اِس دفعہ دیکھئے توتحریک کا زور صرف پاکستان میں ہے، بنگلہ دیش دوسرا ملک ہے جس نے فیس بک پر پابندی لگائی۔ باقی مسلم ممالک سوئے پڑے ہیں۔حکومتی سطح پر ردعمل بھی ڈھیلا ڈھالا اور برائے نام ہے۔ نہ اقوام متحدہ میں احتجاج ہوا، نہ او آئی سی کا ہنگامی اجلاس ہوا۔خود پاکستان کے اندر پچھلی دفعہ احتجاجی مظاہرے اور جلوس ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتے تھے اب سو دوسو افراد کی ریلیاں نکلتی ہیں۔ اس طرح کے واقعات اگر خوانخواستہ وقتاً فوقتاً جاری رہے تو ایک وقت آئے گا کہ یہ معمول بن جائیں گے اور ہمارا ردعمل بتدریج ختم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ بعض دینی رہنماؤں کے اخباری بیانات تک محدود رہ جائے گا۔

اہل مغرب کے ان مقاصد اور طریق کار کے جواب میں ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہئے ؟ چند تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ ابلاغی وفکری مزاحمت

مغرب کے اس طرح کے حملے کی بھرپور مزاحمت کی جائے خصوصاً الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر۔ بدقسمتی سے اس وقت حالت یہ ہے کہ مسلمان ابلاغ عامہ اور پروپیگنڈے کے

میدان میں اہل مغرب سے بہت پیچھے ہیں۔ اول تو ان کے پاس طاقتور میڈیا نہیں اور جو برا بھلا ہے وہ زیادہ تر ان افراد کے ہاتھ میں ہے جو فکری اور تہذیبی طور پر مغرب سے مرعوب و متاثر بلکہ ان کے نقال اور گماشتے ہیں ان سے کیا توقع کی جائے کہ وہ مغرب کا بھرپور جواب دیں گے اور دینی حمیت کا ثبوت دیں گے؟

دینی چینل اوّل تو ہیں نہیں اور جو ہیں وہ فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہیں۔ لہٰذا ایک ایسے چینل کی ضرورت ہے جو اسلام کا ہو کسی خاص فرقے یا مسلک کا نہ ہو۔ بہرحال ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ضمن میں ہمارا رویہ جارحانہ ہو اور ہم حکمت و تدبر کے ساتھ ان کو منہ توڑ جواب دیں اور ان کے خبث باطن کو دنیا پر عیاں کریں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں تعلیم، معیشت، معاشرت، سیاست غرض سارے شعبہ ہائے حیات میں ان کی فکری اور تہذیبی مزاحمت کرنی چاہئے اور اس کا مؤثر اظہار بھی میڈیا کے ذریعے ہونا چاہئے۔

۲۔ دعوت کے مواقع

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کے ابلاغی و عسکری حملوں کو وہاں کے سارے عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے یہ بعض متعصب حکمرانوں، دانشوروں، صہیونیوں اور شدت پسند عیسائیوں کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور مغربی حملوں اور مسلم ممالک میں اس کے ردعمل کے نتیجے میں مغربی عوام میں حقائق جاننے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح، مصدقہ اور براہ راست (فرسٹ ہینڈ) معلومات حاصل کرنے کی ایک طلب ابھر آئی ہے۔ اب یہ مسلمان حکمرانوں، دانشوروں اور علماء کرام کا کام ہے کہ وہ ان کے سامنے اسلام کی اصل حقیقت اور اس کا اصل چہرہ خصوصاً قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مؤثر انداز میں تحریر و تقریر کے ذریعے پیش کریں۔ اگر مسلمان دعوت کے اس سنہری موقع کو ضائع نہ کریں تو وہ مغربی عوام میں سے بہت سوں کے دل و دماغ جیت سکتے ہیں اور اس کے لئے توپ و تفنگ کی نہیں، حکمت و تدبر، خاموشی اور سمجھ داری کے ساتھ پلاننگ اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے۔

۳۔ معاشی بائیکاٹ

مادہ پرست مغرب اگر روحانی اقدار کی اہمیت کونہیں سمجھتا تو مادی مفادات اور اقدار کی تو اسے خوب سمجھ ہے لہٰذا اسے اسی اسلوب میں جواب دینا چاہئے جسے وہ سمجھ سکے۔ مسلمان اگرچہ معاشی لحاظ سے کمزور ہیں لیکن اس کے باوجود اگر وہ بحیثیت امت متحد ہوجائیں اور اس ملک کا معاشی مقاطعہ کردیں اور متعلقہ ملک کے ساتھ برآمدی و درآمدی تجارت ختم کردیں تو اس کا خاطر خواہ اثر پڑے گا لیکن یہ حربہ اسی وقت مؤثر ہوسکتا ہے جب امت حقیقی طور پر متحد ہو اور جذبۂ شجاعت اور ایثار و قربانی سے کام لے اور دباؤ میں نہ آئے جیسا کہ شاہ فیصل مرحوم نے تیل کی برآمد پر پابندی لگا کر دکھادی تھی۔

۴۔ بین الاقوامی قانون سازی

مسلم امت اگر متحد ہوجائے تو آسانی سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے ایسا ریزولیوشن منظور کروایا جاسکتا ہے کہ کسی بھی مذہب یا تہذیب کے ان رہنماؤں کی توہین جرم تصور ہوگی جنہیں کروڑوں افراد محترم ومقدس گردانتے ہیں۔اس حوالے سے اقوام متحدہ کے بنیادی حقوق کے چارٹر میں ترمیم بھی ہونی چاہئے اور اس اصول کی خلاف ورزی کو عالمی عدالت انصاف میں چیلنج کرنے کی راہ بھی ہموار ہونی چاہئے۔

۵۔ فروغ اتحاد

مسلم دانشوروں، رہنماؤں اور علماء کرام کو اس طرح کے مواقع کو امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے کا وسیلہ اور نادر موقع سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے۔ مسلمانوں میں باہم بہت سے اختلافات ہوسکتے ہیں اور ہیں لیکن نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حرمت و تقدس کے حوالے سے ان میں بہرحال کوئی اختلاف نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سب مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے لہٰذا محبت رسول کو مسلمانوں میں بنائے اتحاد بنا کر اس اتحاد کو مزید مضبوط کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں اور فرقہ وارانہ اختلافات، تعصّبات اور انتشار کو ہوا دینے والے

اقدامات کے خلاف مؤثر لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے۔

۶۔ مغربی فکر وتہذیب کا رد

مسلمانوں کا اس وقت حقیقی اور بڑا مسئلہ مغربی فکر سے مرعوبیت کے خاتمے اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات کا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حرمت رسول کی تحریک چلانے والے رہنما اور علماء کرام تدبر وحکمت سے اس تحریک کا رخ مغرب کی ملحدانہ فکر اور تہذیبی مظاہر سے تنفر کی طرف موڑ دیں مثلاً مغربی لباس کیوں پہنا جائے؟ سکول انگلش میڈیم کیوں ہوں؟ تعلیم مخلوط کیوں ہو؟۔۔۔۔وغیرہ۔ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں میں امریکہ و یورپ دشمنی کے جذبات میں خود بخود اضافہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہو بھی تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہمیں مغرب کی فکری و ذہنی غلامی سے نکلنا ہے۔ اگر ہم امریکہ کے خلاف سیاسی طور پر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہیں لیکن ہماری معیشت، معاشرت، تعلیم غرض ہر جگہ مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ ہوتو اس مردہ باد کے نعرے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے اس امر پر بہت سنجیدگی سے سوچا جائے کہ آج کے مسلمانوں خصوصاً پڑھے لکھے افراد کو مغرب کی فکری وتہذیبی غلامی سے نکالنے کے لئے اقدامات کی ضرورت ہے اور اس حوالے سے حکومتی مدد کے بغیر دینی عناصر کے لئے کام کا وسیع میدان موجود ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہونا چاہئے کہ مغربی فکر وتہذیب کو رد کر دیا جائے اور اس کی جگہ اسلامی اصول و اقدار کو فروغ دیا جائے۔

۷۔ اسباب ضعف کا خاتمہ

اور آخری بات یہ کہ مسلمانوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہئے کہ آج ان کے پیغمبر کی توہین اس لئے ہورہی ہے کہ وہ دنیا میں کمزور و ناتواں ہیں اور بین الاقوامی سطح پر ان کا کوئی وزن اور ان کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہے۔ اگر آج وہ تنکے کی طرح ہلکے نہ ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ ان کے پیغمبر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا احتساب کریں، اپنی کمزوریاں دور کریں اور اسباب ضعف کا خاتمہ کریں۔ اپنے دین سے محکم

وابستگی اختیار کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام شریعت پر عمل کریں کہ یہی ان کے لئے منبع قوت ہے اور گہرے ایمان اور برتر اخلاق کے ساتھ ساتھ علم و تحقیق اور

روزے سے اصل مقصود تقویٰ ہے۔ یہ تقویٰ کیسے حاصل کیا جائے اس کے لئے امام غزالی نے احیاء العلوم میں چھ آداب ذکر کئے ہیں جن میں سے اکثر کو ہم آج اپنی معاشرت میں اہمیت نہیں دیتے اس لئے ان آداب کا ذکر ہم یہاں اپنی اور دوسروں کی تذکیر کے لئے کر رہے ہیں۔
رسالہ چونکہ پہلے سے تیار تھا لیکن بوجوہ طباعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ رمضان آ گیا اس لئے رمضان کے بارے میں زیادہ مواد شامل اشاعت نہیں کیا جا سکا۔ امین

سائنس و ٹیکنالوجی میں بھی متحد ہو کر آگے بڑھیں اور طاقتور بنیں تا کہ دنیا ان کی بھی قدر کرے اور ان رہنماؤں کی بھی جنہیں وہ مقدس سمجھتے اور محترم گردانتے ہیں۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ

رمضان، تقویٰ کا موسم بہار

روزے سے حصول تقویٰ کے آداب

اوّل: نظر بد سے بچنا یعنی نظر نیچی رکھنا اور بُری اور مکروہ باتوں کی طرف اسے نہ جانے دینا اور جن چیزوں کے دیکھنے سے دل اللہ سے ہٹتا ہو اور اس کی یاد سے غفلت ہوتی ہو، ان سے نظر کو روکنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ نظر بد شیطان کے تیروں میں زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے جو کوئی اسے اللہ کے خوف سے ترک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا فرمائے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔ حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا 'پانچ چیزیں روزہ دار کا روزہ توڑ دیتی ہیں: جھوٹ، چغلی، غیبت، جھوٹی قسم اور شہوت سے دیکھنا'۔

دوم: زبان کا غلط استعمال یعنی زبان بند رکھنا اور بے ہودہ بات، جھوٹ، غیبت اور چغلی سے پرہیز کرنا نیز فحش، ظلم اور جھگڑے سے بچنا، سکوت اختیار کرنا اور زبان کو ذکرِ الٰہی اور

تلاوتِ قرآن میں مصروف رکھنا زبان کا روزہ ہے۔لیث حضرت مجاہدؒ سے راوی ہیں کہ دو خصلتیں روزے کی مفسد ہیں: غیبت اور جھوٹ اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ روزہ (برائیوں سے بچنے کی) ڈھال ہے جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو بُری اور فحش باتوں سے پرہیز کرے اور اگر کوئی اس سے جھگڑا کرے یا گالی دے تو اسے کہہ دے کہ میں تو روزہ سے ہوں۔

سوم: سماعت کا غلط استعمال یعنی بُری بات سننے سے کانوں کو باز رکھنا اس لئے کہ جن امور کا کہنا حرام ہے ان کا سننا بھی حرام ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بُری باتیں سننے والوں اور حرام کھانے والوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے، پس غیبت سن کر خاموش رہنا حرام ہے۔

چہارم: ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال۔ اس سے مقصود ہے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کو بُرے کاموں سے روکنا اور افطار کے وقت شکم کو شبہات سے باز رکھنا کیونکہ اگر حلال سے دن بھر روزہ رکھا اور حرام پر افطار کیا تو روزہ کچھ نہ ہوا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ’بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کو روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا‘۔علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حرام پر افطار کرے یا غیبت کرے یا اپنے اعضاء کو گناہوں سے نہ بچائے۔

پنجم: افطار میں شکم سیری۔ روزے سے مقصود پیٹ کا خالی رکھنا اور خواہش کا توڑنا ہے تا کہ نفس تقویٰ پر قوی ہوجائے۔اور اگر صبح سے شام تک معدے کو خالی رکھا لیکن شام کو کنٹرول نہ کر سکا اور افطار میں کھانے خوب پیٹ بھر کر کھائے تو روزے کا مقصد فوت ہوگیا کیونکہ روزے کی اصل روح یہ ہے کہ جو قوتیں برائیوں کی طرف کھینچنے کے وسیلے ہیں وہ ضعیف ہوجائیں اور یہ بات بغیر کم کھانے کے میسر نہیں آتی۔

ششم: خوف و رجا۔ یہ کہ افطار کے بعد خوف و رجا سے وابستہ اور مضطرب رہنا چاہئے کیونکہ معلوم نہیں کہ بندے کا روزہ قبول ہو کر مقربین کے زمرہ میں اس کا شمار ہوا یا اس کا روزہ نامنظور ہوا اور وہ اللہ کی خوشنودی سے محروم ہو کر اس کے غضب کا مستحق ہوگیا بلکہ ہر عبادت

سے فارغ ہونے پر یہی حال ہونا چاہئے یعنی اس بات کا خوف کہ شائد وہ عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا اور وہ قبول نہ ہو اور ساتھ ہی اس بات کی امید بھی کہ اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہیں وہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۷۶۲ء) ہمارے معاشرے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ ایک بے بدل عالم دین اور مفکر اسلام تھے۔ آپ ہندوستان میں ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب مسلمان معاشرہ اخلاقی اور سیاسی زوال کا شکار تھا جس پر آپ کا کڑھنا اور اسے بدلنے کی کوشش کرنا سمجھ میں آتا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب **تفھیمات الٰھیہ** میں اپنے عہد کے معاشرے کے مختلف طبقات کو مخاطب کر کے بڑے درد مندانہ انداز میں ان کی کمزوریوں کی نشان دہی کی ہے اور انہیں اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کی مذکورہ تحریر سے ایک اقتباس، جس میں انہوں نے علماء کرام کو خطاب کیا ہے، آزاد ترجمے کی صورت میں نذر قارئین ہے۔ امین

ضرور قبول فرمائیں گے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

علماء کرام کے نام ایک اہم پیغام

اے گروہ علماء! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے ہو اور تم میں سی ہر ایک نے اپنے لئے نیا راستہ بنا رکھا ہے۔ جس طریقے کو اللہ تعالیٰ نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے نازل فرمایا تھا اس کو چھوڑ کر تم میں سے ہر ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور اپنی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہے کہ میں تمہارا ہادی اور رہنما ہوں حالانکہ وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ (میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ) خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرو جو اللہ اور رسولؐ کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو۔

تم لوگوں کو مرید بنا کر ان سے پیسے لیتے ہو اور علم دین اس لئے سیکھتے ہو کہ اسے کمائی کا ذریعہ بناؤ۔ یاد رکھو! اللہ ایسے طرز عمل کو پسند نہیں کرتا اور جب تک دین کو اس کی اصل شکل اور

اسلوب میں اختیار نہ کیا جائے دنیا حاصل نہیں ہوسکتی۔ کیا تمہارے لئے اللہ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے کہ:

''ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ'' (الانعام ۶:۱۵۳)

یہ میری راہ سیدھی ہے اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے دور کردیں گی۔

تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو اور خیال کرتے ہو کہ یہی علم ہے۔ یاد رکھو! علم تو صرف قرآن اور حدیث ہے۔ لہٰذا قرآن سیکھو، مشکل الفاظ کے معنی حل کرو اور اسباب نزول کو جانو۔ صحیح احادیث کا علم حاصل کرو یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ وضو کرنے کا نبوی طریقہ کیا تھا؟ اپنی ضرورت کو کیسے جاتے تھے؟ حج کیسے ادا کیا؟ جہاد کیسے کیا؟ گفتگو کا انداز کیا تھا؟ اخلاق کیسے تھے؟ زکوٰۃ کا نصاب اور علم الفرائض سیکھو۔ غرض سیرت نبویؐ کا مطالعہ کرو۔ یہ جن چیزوں میں تم الجھے ہوئے ہو اور جن میں سر کھپا رہے ہو ان کو آخرت سے کیا واسطہ! یہ تو دنیا کے علوم ہیں۔

تلخیص وتسہیل: شاہ صاحب نے اس خطاب میں علماء کرام کی توجہ مندرجہ ذیل امور کی

ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت

مدیر البرہان کی اس تجویز پر کہ تعلیم وتزکیہ، دعوت و اصلاح، میڈیا اور خدمت خلق جیسے غیر سیاسی کاموں کے لئے ایک ایسی دینی تحریک کی ضرورت ہے جس میں سارے دینی مکاتب فکر اور سول سوسائٹی کے سارے طبقات شامل ہوں، ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ میں ایک بحث جاری ہے۔ جن اصحاب کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ الشریعہ کا اپریل، جولائی اور اگست کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں۔

طرف مبذول کرائی ہے:

۱۔علماء کرام باہم تفرقہ چھوڑ کر متحد ہو جائیں۔ ۲۔ دعوت اللہ و رسول کی طرف دیں نہ کہ اپنے مسلک و مشرب کی طرف ۳۔علم دین محض دنیاوی روزگار کے لئے حاصل نہ کریں۔

۴۔تعلیم و تدریس میں اصل توجہ دین کے بنیادی مآخذ (قرآن و سنت) پر رکھیں نہ کہ ضمنی، معاون اور دنیوی علوم پر۔

معاشرت

ڈاکٹر محمد امین

بے حیائی کے خلاف ردعمل ـــ کریکر دھماکے

امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ جو دراصل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے اور جس کا مقصد اسلام کا راستہ روکنا اور مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے، اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ ابلاغ اور میڈیا کی جنگ بھی ہے اور جس طرح امریکہ اپنی زبردست جنگی مشینری کی قوت سے اور مسلم ممالک کو انتشار میں مبتلا کر کے ان کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے، اسی طرح دہشت گردی کے خلاف پروپیگنڈا کی جنگ میں بھی وہ کامیاب ہے اور دہشت گردی کا ہر چھوٹا بڑا واقعہ مسلمانوں سے منسوب ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے دہشت گرد

ہونے کو میڈیا میں خوب اچھالا جاتا ہے۔ چور کے اس طرح چور چور کا شور مچانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو چور بنا کر پیش کرتا ہے اور خود شریف اور وضع دار بن جاتا ہے چنانچہ دہشت گردی اگرچہ امریکہ نے شروع کی اور اس وقت بھی پاکستان میں دہشت گردی کے جتنے واقعات ہورہے ہیں اس میں امریکہ اور اس کے حواریوں کا ہاتھ ہے لیکن وہ بدنام مسلمانوں کو کر رہا ہے کہ انتہا پسند مسلمان دہشت گردی کرتے ہیں۔ دراصل مسلمانوں کی کمزوری یہ ہے کہ وہ ایمانی فراست وحمیت دونوں سے عاری ہیں اور آسانی سے دشمن کی عیاریوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ دشمن ایک طرف خود ڈرون حملے کر کے اور پاکستانی فوج سے حملے کرا کے قبائلی علاقوں کے معصوم شہریوں کو قتل کرتا اور کراتا ہے تاکہ وہ انتقام کے جوش میں اندھے ہوجائیں اور دوسری طرف ان کو اسلحہ فراہم کرتا اور ان پر ڈالروں کی بارش برساتا ہے تاکہ ان کو انتقام لینے کے ذرائع مہیا ہوجائیں۔ دشمن کو اس طریق کار کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ پاکستانیوں کی اکثریت دہشت گردی اور دہشت گردوں کو تو برا بھلا کہتی ہے لیکن اس کا دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ اس دہشت گردی کے پس پشت اصل ماسٹر مائنڈ کون ہے اور وہ اس سے کیا مقاصد حاصل کر رہا ہے؟

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستانی عوام بلکہ پڑھے لکھے افراد، صحافی، ادیب، دانشور اور سیاستدان بھی دہشت گردی کے مظاہر میں الجھے ہوئے ہیں اور ان کا دھیان ان اسباب کی طرف نہیں جاتا جو اس دہشت گردی کی اصل وجہ ہیں۔ یہ بات ان بڑے بم دھماکوں اور خود کش حملوں پر بھی صادق آتی ہے جن میں بیسیوں بے گناہ جانیں ضائع ہوتی ہیں اور ان چھوٹے کریکر دھماکوں پر بھی جن میں عموماً کوئی جانی نقصان نہیں ہوتا اور ان کی حیثیت محض تنبیہ الغافلین کی ہوتی ہے۔ لہٰذا آیئے اب اس معاملے پر تھوڑی دیر کے لئے غور کریں کہ یہ کریکر دھماکے کیوں ہوتے ہیں اور یہ کون کرتا یا کراتا ہے؟

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جن کے حقیقت ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہوتا لیکن عملاً واقعات کی گرد، تاریخ کا جبر اور پس پشت

کارفرما عوامل ان حقائق کو شعور سے لاشعور اور پیش منظر سے پس منظر کی طرف دھکیل دیتے ہیں اور اسے 'زندہ مسئلہ' نہیں بننے دیتے حالانکہ وہ زندہ مسئلہ ہوتا ہے مثلاً یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان اسلام اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر بنا تھا اور قائد اعظم اور برصغیر کے مسلمان اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ پاکستان کا سارا ریاستی ڈھانچہ مملکت خداداد پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے میں جُت جاتا لیکن عملاً ایسا ہوا نہیں۔ بین الاقوامی قوتیں چونکہ اس کی مخالف تھیں لہٰذا انہوں نے پاکستان میں ایسی سیاسی قوتیں پروان چڑھائیں جنھوں نے نفاذ اسلام کی بجائے ملک میں مغربی فکر و تہذیب خصوصاً سیکولرزم اور مادہ پرستی کو فروغ دیا۔ جن دینی قوتوں نے اس صورت حال کو بدلنا چاہا وہ کچھ اپنی غلط پالیسیوں اور کچھ اغیار اور مقامی حکمرانوں کی سازشوں سے ناکام ہوگئیں۔ غیر سیاسی دینی عناصر معاشرے میں ضرور سرگرم ہیں (جیسے دینی مدارس، تبلیغی جماعت اور کئی چھوٹے بڑے دینی ادارے) لیکن ان کے تصور دین نے زیادہ تر انہیں دینیاتی مسائل تک محدود رکھا اور تعلیم، قانون، معیشت، معاشرت، میڈیا۔۔۔وغیرہ میں اسلامی نقطہ نظر سے منظم جدوجہد کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پاکستانی معاشرہ اسلامی اصول و اقدار سے تیزی سے محروم ہوتا چلا جارہا ہے اور ملحدانہ مغربی فکر و تہذیب کے اصول و اقدار معاشرے پر غالب آتی چلی جارہی ہیں بلکہ آچکی ہیں۔ اس کے بہت سے مظاہر ہیں لیکن ان کا نمایاں اظہار میڈیا یعنی ٹی وی چینلز کے پروگراموں اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے ہوتا ہے۔ ان دو ذرائع سے جو فحاشی اور عریانی پاکستان میں پھیل رہی ہے اسے مسلم معاشرے کا ضمیر برداشت نہیں کرتا لیکن نہ ریاست اس کے خلاف بند باندھتی ہے (پولیس، عدلیہ، انتظامیہ میں سے کوئی اس کے خلاف حرکت میں نہیں آتا) نہ دینی عناصر اس کے خلاف منظم اور مؤثر مہم چلاتے ہیں۔ ان حالات میں ایسے دینی عناصر ابھر رہے ہیں جو ان منکرات کو قوت سے روکنا چاہتے ہیں۔

دینی حوالے سے اگرچہ بعض آیات و احادیث سے یہ مطلب نکل سکتا ہے کہ برائی کو ہو سکے تو طاقت سے روکا جائے لیکن جمہور امت کا مؤقف یہی ہے کہ یہ کام پُرامن طریقے سے

کیا جائے اور طاقت کا محتاط استعمال صرف اپنے دائرہ کار میں کیا جائے (جیسے باپ اپنے بیٹے پر سختی کر سکتا ہے، استاد اپنے شاگرد کو ڈانٹ سکتا ہے، حکومت قانون کی خلاف ورزی پر سزا دے سکتی ہے وغیرہ)۔ ہماری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اسلامی اصول و اقدار پر عمل کرانے کا یہ کام پُرامن طریقے سے کرنا چاہئے لیکن سوال یہ ہے کہ جب حکومت پاکستان یہ کام نہیں کرتی اور دینی عناصر متحد و منظم ہو کر پُرامن طریقے سے یہ کام نہیں کرتے تو پھر کیا ہو؟ اس کے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں ایک تو یہ کہ آدمی بے حمیت بن کر خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہے اور اس کا حصہ بنا رہے اور دوسرے یہ کہ اس کے خلاف جدوجہد کرے۔ کچھ دینی عناصر اس جدوجہد میں صبر و تحمل کا راستہ چھوڑ کر قوت سے ان منکرات کو روکنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ہم ان کی حمایت نہیں کرتے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا جواز تو حکومت اور غیر متحرک دینی عناصر خود انہیں مہیا کر رہے ہیں۔

اس کا صحیح حل یہ ہے کہ حکومت اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کرے، اسلامی اصول و اقدار پر عمل کا ماحول پیدا کرے اور ان کی خلاف ورزی پر سزا دے جیسا کہ اسلامی تعلیمات اور آئین پاکستان دونوں کا تقاضا ہے۔ اسی طرح دینی عناصر کا فرض ہے کہ وہ متحد ہو کر پُرامن طریقے سے اسلامی اصول و اقدار پر عمل کا ماحول معاشرے میں پیدا کریں اور جس حد تک قانون اجازت دیتا ہے ان پر معاشرتی اور اخلاقی دباؤ سے عمل کرائیں۔ لیکن اگر نہ حکومت اسلامی اصول و اقدار پر عمل کرواتی ہے اور نہ دینی عناصر اس کے لئے متحد ہو کر منظم جدوجہد کرتے ہیں تو پھر کوئی نہ کوئی تو اس خلا کو پُر کرے گا۔ دیکھا جائے تو ان لوگوں کے قانون ہاتھ میں لینے کے اصل ذمہ دار تو حکومت اور یہ دینی عناصر ہیں جو انہیں تشدد کا جواز اور موقع فراہم کر رہے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری حکومت اور دینی عناصر ان لوگوں کو یہ موقع اور جواز فراہم نہ کریں بلکہ خود یہ کام کریں۔ خود کچھ نہ کرنا اور کرنے والوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دینا، ظاہر ہے یہ مسئلے کا حل نہیں۔

اسی طرح جو لوگ شمالی علاقوں میں سکول اور سی ڈی کی دکانیں جلاتے ہیں کہ ان کی رائے

میں یہ بے حیائی اور فحاشی پھیلانے کے اڈے ہیں تو بلاشبہ وہ قانون ہاتھ میں لے کر غلطی کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری حکومت کیوں ایسے اقدامات نہیں کرتی کہ یہ ادارے بے حیائی اور فحاشی کے اڈے نہ رہیں۔ سول سوسائٹی کیوں حکومت کو مجبور نہیں کرتی کہ وہ اس کے لئے ضروری اقدامات کرے اور علماء و دینی عناصر کیوں اس کے خلاف متحد ہو کر منظم جدوجہد نہیں کرتے (اگرچہ بعض لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ یہ کام امریکی و بھارتی ایجنٹ کرتے ہیں اور نام طالبان کا لگاتے ہیں)۔

خلاصہ یہ کہ نیٹ کیفوں میں کریکر دھماکوں کا سبب یہ ہے کہ یہ ہمارے معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی پھیلانے کے اڈے بن چکے ہیں، لڑکیاں لڑکے یہاں اکٹھے بیٹھ کر گندی فلمیں دیکھتے اور نازیبا حرکتیں کرتے ہیں، ان کو پوچھنے اور ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ان کو روکنے کے لئے کریکر دھماکوں پر اتر آتے ہیں۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی آئینی اور اسلامی ذمہ داری پوری کرے، نیٹ کیفوں کے ماحول کو کنٹرول کرے اور معاشرے میں اسلامی اصول و اقدار کے فروغ کا ماحول پیدا کرے۔ دینی عناصر سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ متحد ہو کر حیاء وعفت کے حق میں اور فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے خلاف منظم مہم چلائیں، ہر محلے میں اخلاق سُدھار کمیٹیاں بنائیں۔ مساجد و مدارس کو اسلامی اصول و اقدار پر عمل کے لئے جدوجہد کا مرکز بنائیں اور اتنا معاشرتی اور اخلاقی دباؤ بڑھائیں کہ کسی کے لئے اسلامی اصول و اقدار کو پامال کرنا آسان نہ رہے لیکن اگر نہ حکومت کچھ کرتی ہے اور نہ دینی عناصر اس غیر سیاسی کام کے لئے متحد و منظم ہو کر کام کرتے ہیں تو پھر معاف کیجئے گا نیٹ کیفوں میں دھماکے تو ہوں گے۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ لوح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

ترکِ رذائل و اکتسابِ فضائل کی اس اہمیت کو سمجھتے ہوئے کہ ان پر عمل کے بغیر دین داری کا ادعا بے معنی ہے اور اس امر کا ادراک کرتے ہوئے کہ ان کی تفہیم اور ان پر عمل نہ صرف ہماری ذاتی ضرورت ہے بلکہ یہ بالعموم ہمارے افرادِ معاشرہ کی بھی ضرورت ہیں، ہم نے کئی برس پہلے جناب احمد جاوید صاحب (مربی، محقق، ادیب اور دانشور) سے درخواست کی تھی کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات قلم بند کروا دیں چنانچہ سوال و جواب کی صورت میں وہ تحریر 'ترکِ رذائل' کے نام سے طبع ہو کر شائقین تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے بعد اکتسابِ فضائل پر کام کرنے کا اردہ تھا اور کچھ کام ہوا بھی لیکن پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اب البرہان کے اجراء پر یہ رائے بنی ہے کہ جو لوازمہ تیار ہے وہ بالاقساط دے دیا جائے تا کہ ناظرین تک پہنچتا رہے۔ یہ سلسلہ بھی حسب سابق سوالاً جواباً ہے۔ امین

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

تزکیہ و تربیت

علامہ احمد جاوید

اکتسابِ فضائل (۱)

فضائل کی تعریف

س: فضائل کی تعریف کیا ہے؟

ج: اللہ نے ہمیں بندگی کے لئے پیدا کیا ہے اور بندگی کے کمالات اور نقائص کو پوری اصولی تفصیل کے ساتھ متعین کر کے بیان بھی فرما دیا ہے۔یعنی بندگی کے تمام لازمی عناصر کتاب و سنت میں بیان ہو چکے ہیں اور ان میں اضافہ یا کمی نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح قرآن و سنت میں بندگی کے مثبت اور منفی دونوں معنوں میں کم از کم دو مدارج بھی بتا دیئے گئے ہیں۔ ایک درجہ وہ جہاں پہنچ کر ہم بندگی کی لازمی شرط کو پورا کر دیتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کا سامان کر لیتے ہیں۔ دوسرا مرتبہ وہ ہے جس تک رسائی حاصل کرنے سے بندگی کا کمال میسر آتا ہے اور اللہ کا قرب اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ان دونون درجوں میں ہمیں خیال یا احوال یا اعمال کی سطح پر جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں وہی فضائل ہیں۔ یعنی نماز ادا کر لینا عمل کی فضیلت ہے، اس میں یکسوئی کا حاصل ہو جانا ذہن کی فضیلت ہے اور اس کی رغبت کا مہیا ہو جانا احوال کی فضیلت ہے۔ اس معنی میں فضائل کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں جنہیں فرائض اور نوافل، ترک معصیت اور ترک غفلت وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر بہت سے فضائل ایسے ہوتے ہیں جو رذائل پر غالب آنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں جبکہ بعض رذائل کے نہ ہونے کی حالت پر مبنی ہوتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ ایک ہی فضیلت دو آدمیوں میں اپنی مذکورہ بالا نسبتوں کے اعتبار سے مختلف ہو یعنی اس کا سبب یکساں نہ ہو مثلاً دو سچے آدمی اس طرح سے ہو سکتے ہیں کہ ایک شخص جھوٹ کی عادت پر غالب آ کر سچا بنا ہو جبکہ دوسرے کو زندگی بھر جھوٹ بولنے کی خواہش ہی نہ پیدا ہوئی ہو۔ یہاں آ کر سہولت فہم کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ فضائل اپنی بنیاد میں کہیں شرعی ہوتے ہیں اور کہیں فطری۔ تاہم فطری کا تعین بھی شریعت ہی کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ پوری شریعت ترک رذائل اور حصول فضائل ہی کا نام ہے۔ ترک رذائل سے بندگی کی اساسیات کی حفاظت ہوتی ہے اور حصول فضائل سے اس میں ترقی اور کمال پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی بناوٹ ایسی ہے کہ وہ اپنی وابستگی کو نبھانے کے لئے یہ دونوں راستے بیک وقت اختیار کرتا ہے اگر ایسا نہیں کرے گا تو اس کی وابستگی سچائی سے محروم ہو گی۔ یہ انسان کی عمومی خاصیت ہے جو ہر معاملے میں ظہور کرتی ہے۔

۲۔ فضائل کی تعریف بالکل سادہ ہے۔ فضیلت نیکی کو کہتے ہیں اور یہ نیکی دو بنیادوں پر استوار ہوتی ہے شریعت اور فطرت۔ تمام نیک اعمال اور اخلاق فضائل ہیں بلکہ صحیح عقائد بھی فضائل ہیں۔ انسانی ذہن، طبیعت اور ارادے کا مجموعہ ہے جب یہ تینوں چیزیں شرعی عقائد و احکام کے تابع ہو جائیں تو اس حالت میں صادر ہونے والے تمام احوال، اعمال اور افکار فضائل ہیں۔ یہ حالت قصد، ارادے اور مجاہدے کے بغیر میسر ہو تو یہ فطرت کا خاصہ ہے اور اگر اس کے نتیجے میں حاصل ہو تو یہ اکتسابی ہے اور اتباع شریعت کا نتیجہ ہے۔ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

انسان کی اصل بندگی ہے۔ یہ بندگی کچھ کمالات رکھتی ہے اور کچھ نقائص۔ کمالات کے حصول کے تمام ذرائع فضائل ہیں اور نقائص کے تمام اسباب و نتائج رذائل۔ تاہم یہ ملحوظ رہے کہ فضائل چونکہ پوری شریعت کے بنیادی عناصر ہیں اس لئے ان کا تعین شریعت ہی سے ہو گا۔ البتہ رذائل کی بنیاد نفس انسانی پر ہے لہٰذا ان کے تعین میں شریعت صرف اصول بیان کرتی ہے تفصیل نہیں دیتی یعنی ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ ہم کوئی فضیلت ایجاد کریں۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ بعض نئے رذائل دریافت ہو جائیں۔

فضائل میں اضافہ

س: انسانوں میں نفسیاتی اور تہذیبی تبدیلی اور تنوع ناگزیر ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف لوگ ایک ہی نیکی کے مختلف مظاہر پر کاربند ہیں۔ نیکی کی صورتوں کا یہ اختلاف کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ فضائل بھی ایسے ہو سکتے ہیں جو اپنی نوعیت میں کم از کم اتنے نئے ضرور ہوں جس کا

واضح بیان قرآن وحدیث میں نہیں ملتا؟

ج: یہ سوال بہت برمحل ہے۔ فضائل کے بارے میں ہم نے جو تحدید لگائی ہے وہ ایک مصلحت پر مبنی ہے۔ فضائل کی نئی صورتیں یقیناً ممکن بلکہ ناگزیر ہیں تاہم ان صورتوں میں چونکہ مستقل بالذات فضیلت بن جانے کی خاصیت پائی جا سکتی ہے لہٰذا ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بات کو تاکید سے کہہ دیا جائے کہ شریعت سے باہر کوئی فضیلت برائے نام بھی لائق اثبات نہیں ہو سکتی۔ وہ مصلحت یہ ہے اور جس پر ہمارا تجربہ اور مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ لوگ اعمال خیر کی کچھ نئی صورتیں وضع کر کے ان کی اس طرح اہتمام کے ساتھ پابندی کرنے لگتے ہیں کہ ان کا عمل درجہ احکام شرعیہ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اس خرابی کا سدباب کرنے کے لئے ہم نے یہ روک لگانی ضروری سمجھی۔ البتہ تفصیل میں جائیں تو آپ کی بات درست ہے کہ انسان کی قوت تعمیل ایک ہی حکم پر مختلف انداز سے عمل کرتی ہے۔ جب تک وہ حکم ایک محکم سند اور حجت کے طور پر برقرار رہتا ہے تو اس طرح کے مسائل پیدا نہیں ہوتے لیکن اگر یہ صورت حال نہ رہے تو انسانی عمل کے تنوع کو حکم وغیرہ کی تعریف سے خارج کر دیا جائے گا۔ ذرا دقت نظر سے دیکھیں تو یہ چیز بالکل واضح نظر آتی ہے کہ جس عہد میں ہم رہ رہے ہیں اس میں صورت معنی پہ غالب آ چکی ہے یعنی آدمی کا ذہن، طبیعت اور ارادہ شریعت کی مراد کو خود شریعت کے نام پر بدلنے پر مائل ہے۔ ان حالات میں یہ اصرار غلط نہیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنی قوت تعمیل کو حکم کی فوری مراد تک محدود رکھیں۔ اس ضرورت کی طرف متوجہ رہنے کے لئے فضائل کے بارے میں ہماری عائد کردہ شرط، مصلحت کے درجے ہی میں سہی، مگر لازمی ہے۔ اس کے ذریعے سے شریعت کا ایک بہت بڑا تقاضا پورا ہوگا اور وہ یہ کہ شریعت کو اس کے غیر سے ممتاز رکھا جائے۔

دوسری طرف رذائل میں یہ شرط ضروری نہیں ہے۔ اس کا سبب بالکل سادہ ہے۔ اگر نئے رذائل ایجاد اور دریافت ہو جائیں تو اس کا کوئی اثر نفس شریعت پر نہیں پڑے گا۔ رذائل کی نسبت پوری کی پوری نفس انسانی سے ہے، شریعت تو صرف ان کی ایک اٹل تعریف اور مستقل اصول بیان کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر بندگی کے تمام کمالات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

طرف سے ہیں جب کہ اس کے نقائص ہماری طرف سے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک جہت سے شریعت مجموعہ فضائل ہی کا نام ہے۔ یہ بظاہر انسانی استعداد اور صورت حال سے متعلق ہو کر بعض ایسی صورتیں اختیار کر سکتے ہیں جو پہلے سے موجود نہ ہوں تاہم صورت کا یہ تنوع اصل پر زیادتی نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر عبادات میں احسان وجوب کی حد تک مطلوب ہے لیکن عبادت گزاروں کے ذہن اور طبعی خصائص احسان کی مختلف حالتوں، کیفیتوں اور صورتوں کو پیدا کرتے ہیں۔ یہ اختلاف باعتبار اصل کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس کے ہر جزو کو فضیلت قرار دے کر احسان ہی کا نام دیا جائے گا۔

فضائل کی درجہ بندی

س: آپ نے انسانی استعداد کا ذکر کیا ہے تو کیا اس کے حوالے سے ہم شرعی فضائل کی کوئی ایسی درجہ بندی کر سکتے ہیں جس میں اس استعداد کی رعایت پائی جائے یعنی کیا ہم قرآن و سنت کے طے کردہ فضائل اور مطلوب کمالات کو شعوری، ارادی، طبعی وغیرہ کے عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں؟

ج: ضرور کر سکتے ہیں۔ شریعت کے تمام فضائل دراصل تزکیۂ نفس کے لئے ہیں اور خود نفس، جیسا کہ اوپر ابھی بیان ہو چکا ہے، انہی چیزوں کا مجموعہ ہے۔ فضائل کو اگر کمالات اور محاسن کے معنی میں لیا جائے تو ہر فضیلت اپنے حصول کے لئے نفس کے کسی خاص حصے کی تربیت اور تزکیے کا مطالبہ کرتی ہے مثلاً حصول یقین کے لئے ذہن کا تزکیہ درکار ہے، خدا خوفی کے لئے طبیعت کا تزکیۂ مطلوب ہے اور کمال اطاعت کے لئے ارادے کو درست حالت میں رکھنا ضروری ہے۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ شرعی فضائل کو مختلف انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ فضائل اپنی نوع کے اعتبار سے عقلی اور نفسیاتی وغیرہ ہو سکتے ہیں۔

س: اس تقسیم کی کچھ مثالیں بھی سامنے آجائیں تو آپ کی بات کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

ج: آپ ایسا کیجئے کہ کچھ فضائل خود بیان کر دیجئے ہم اس کی درجہ بندی کر دیں گے۔

س: بہت بہتر، فوری طور پر جو فضائل ذہن میں آرہے ہیں: وہ ہیں صبر، شکر، تقویٰ، توکل، اللہ

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت، استقامت، ایمانیات پر یقین، علم دین، فیاضی وغیرہ۔

ج: بہت خوب، آپ دیکھیں کہ فضائل کی اس فہرست میں بعض طبعی فضائل ہیں مثلاً صبر، شکر، محبت، تقویٰ، فیاضی اور بعض ارادی مثلاً توکل، استقامت اور بعض عقلی مثلاً یقین اور علم دین۔

فضائل کی اس تقسیم کو خود شریعت کا تجزیہ کر کے زیادہ وضاحت اور اعتماد سے سمجھا جا سکتا ہے۔ شریعت اپنے کل میں چار چیزوں کا مجموعہ ہے: عقائد، عبادت، اخلاق اور معاملات۔ ہر شرعی فضلیت کا دارومدار انہی چار پر ہے۔ اب دیکھئے کہ عقائد کا زیادہ تر تعلق ذہن سے ہے۔ عبادات میں ذہن، ارادہ اور طبیعت سب یکجا ہیں۔ اخلاق کی نسبت طبیعت سے زیادہ ہے اور معاملات اصولاً ارادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شاید بہتر طریقے سے سمجھ میں آتا ہے کہ ہم نے

اللہ کی راہ میں خرچ کیجئے

رمضان کی بابرکت گھڑیوں میں حصول تقویٰ کے لئے اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کیجئے۔ تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ کے دینی، اصلاحی اور تعلیمی منصوبوں کے لئے عطیات، صدقات اور زکوٰۃ بھجوا کر فلاح دارین حاصل کیجئے۔ سیلاب زدگان کی بھی دل کھول کر مدد کیجئے۔

جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادات کے لئے پیدا کیا ہے (الذاریات ۵۱:۵۶) یعنی انسان کی مجموعی ساخت، جیسا کہ اوپر آپ نے دیکھا، عبادات سے ہم آہنگ ہے یا یوں کہہ لیں کہ عبادت کل انسان کی شمولیت چاہتی ہے۔ یہ بات ایمانیات کے لئے بھی کہی جا سکتی ہے کہ ایمان کا ظہور انسان کے پورے وجود میں ہونا چاہیئے لیکن اس میں ایک ٹیکنیکل نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمانیات کا ایسا ظہور دراصل عبودیت کا جوہر ہے لہٰذا اس ظہور کی براہ راست اور عملی نسبت عبادت کی طرف کی جائے گی۔

مختصر یہ کہ تمام شرعی فضائل انسانی وجود کی ہر سطح کا احاطہ کرتے ہیں لیکن ان کی کارفرمائی کا

مرکز یا ذریعہ مخصوص ہوسکتا ہے مثلاً ایک ذہنی فضیلت محض فہم کی صورت تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کا اثر پورے آدمی پر پڑتا ہے البتہ اس فضیلت کا بنیادی تعلق ذہن سے ہوتا ہے۔ اسی اصول پر فضائل کی تمام اقسام کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

فضائل کے حصول کی کوشش میں یہ تخصیص اور تقسیم پیش نظر رہنی چاہئے لیکن فضائل حاصل ہونے کا ثبوت شخصیت کی مجموعی تبدیلی اور اصلاح سے فراہم ہوگا۔ یہ اصول ہر صورت حال میں ذہن نشین رہنا چاہئے۔

ترکِ رذائل　　　علامہ احمد جاوید

کسل اور اس کا علاج

حکم ربّانی

O والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین (العنکبوت ۲۹:۶۹)

جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

O واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (الحجر ۱۵:۹۹)

اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ تجھے موت آ جائے۔

فرمان نبوی

Oعن عائشہ ان النبی ﷺ کان یقوم من اللیل حتی تنفطر قدماہ۔'' (صحیح بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو اتنا لمبا قیام فرماتے کہ آپ کے پیر سوج جاتے۔

O نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس: الصحۃ والفراغ۔''(صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

دو نعمتیں ہیں، اکثر لوگ (ان کے غلط استعمال کی وجہ سے) خسارے اور گھاٹے میں رہیں گے، صحت اور فراغت

س: کسل سے کیا مراد ہے؟

ج: کسل ایسی سستی اور کاہلی کو کہتے ہیں جو بے رغبتی سے پیدا ہو۔ شریعت میں کسل کو مرض

بتایا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے تمام اعمالِ خیر متاثر ہوتے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں کسل کا مطلب ہوگا اللہ کی بندگی میں اس لئے کوتاہی کرنا کہ خود بندگی سے بیزاری محسوس ہو۔

اس تعریف کی رو سے کسل ایک نہایت خطرناک مرض ہے جس کی طرف فوری توجہ نہ کی جائے تو یہ بہت تیزی سے بڑھتا ہے اور بالآخر عبودیت کی موت پر ختم ہوتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مظہر بس ایک ہے: اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر حکم کو ٹالنے کی شعوری اور ارادی کوشش کرنا اور اگر کسی دباؤ سے تعمیل کرنی ہی پڑے تو بیزاری، بے دلی، بے دھیانی اور بے سلیقگی سے عمل کرنا (النساء ۴:۱۴۲)۔ کسل کا مریض بندگی کو بیکار سمجھنے لگتا ہے اور اس سے چھٹکارا پانے کی خواہش رکھتا ہے۔ کسل کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور پورے دین سے ایک گہری اور شدید لاتعلقی بلکہ بیزاری ہوجاتی ہے۔

تاہم یہ ملحوظ رہے کہ جُبن (بزدلی) کی طرح کسل کا مرض بھی اکثر اوقات کسی جسمانی یا نفسیاتی وجہ سے نمودار ہوتا ہے۔ کسل کا مذکورہ بالا نقصان صرف انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو ذہنی اور جسمانی طور پر عمل کی مطلوبہ قوت رکھنے کے باوجود دینی احکام کی بجا آوری میں کسمساتے ہوں۔ ایسے اشخاص جو زندگی کے تمام معاملات میں کاہلی کا رویہ رکھتے ہوں اس انتہائی نقصان سے تو محفوظ رہتے ہیں لیکن انہیں بھی بعض محرومیوں کا سامنا بہر حال کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا عافیت کی راہ یہی ہے کہ کسل اگر طبعی بھی ہو تو اسے ایک دینی نقص سمجھ کر اس کا علاج کرنے کی فکر کی جائے۔ باقی رہی کسل کی وہ قسم جو صرف دینی اعمال سے مخصوص ہو اور شعور اور ارادے کے ساتھ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح سے دین کا صریح انکار ہے اور اس میں مبتلا آدمی اس وقت تک صحت یاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنا مسلمان ہونا دل سے قبول نہ کرلے۔ بہر حال اللہ کا خاص فضل ہے کہ کسل کی یہ قسم مسلمانوں کے اندر تقریباً ناپید ہے، یہ صرف منافقوں کے حصے میں آئی لیکن محدود ہونے کے باوجود چونکہ نفاق آج بھی ایک زندہ حقیقت ہے لہٰذا صحابہؓ کی طرح ہمیں بھی اس خطرے سے غافل نہیں رہنا چاہئے اور ان خرابیوں کی ابتدائی علامات کو بھی سنجیدگی سے لینا چاہئے جو اپنی انتہائی صورت میں منافقوں کا خاصہ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کسل کی دو قسمیں ہیں طبعی اور ارادی۔ طبعی کسل ایک عذر ہے جو آدمی کو خود اس کے فائدے کے کام بھی نہیں کرنے دیتی لیکن ارادی کسل خالص نفاق ہے اور اس کی موجودگی میں آدمی کا مسلمان ہونا کوئی حقیقی معنی نہیں رکھتا۔ طبعی کسل چونکہ شرعاً ایک حد تک قابل گرفت نہ ہونے کے باوجود اکثر ضروری احکام کی تعمیل میں رکاوٹ بنتا ہے لہٰذا اس کا علاج بھی ایک دینی ضرورت ہے اور اس کی طرف سے غافل رہنا ایک دینی نقص ہے۔

س: سوال یہ ہے کہ اگر کسل منافقوں کی عادت ہے اور اس سے مخلص مسلمانوں کو خطرہ نہیں ہوسکتا، تو پھر اسے زیر بحث لانے کا کیا فائدہ ہے؟

ج: نفاق کا وقوع ایک اور چیز ہے اور نفاق کا امکان دوسری چیز۔ ہم نے جو صحابہ کرامؓ کی مثال دی تھی تو اس سے یہی بتانا مقصود تھا کہ جس کا ایمان جتنا کامل ہوگا اس کا خوفِ نفاق بھی اسی مناسبت سے زیادہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ جس کے لئے ایمان، مرنے جیسے سے بھی بڑا مسئلہ ہو وہ ایمان کے زوال کے خوف سے کبھی آزاد نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرامؓ کے خوفِ نفاق کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انہیں، معاذ اللہ، خود پر منافق ہونے کا شبہ تھا بلکہ وہ اپنے ایمان میں اتنے کامل، مخلص اور سنجیدہ تھے کہ محض نفاق یا زوال ایمان کا بعید ترین امکان بھی انہیں فکر مند کرنے کے لئے کافی تھا۔ صحابہ کرامؓ کی مثال پیش کرنے کا مقصد غالباً اب واضح ہوگیا ہوگا کہ ہمیں کسی بھی حال میں بے فکر نہیں ہونا چاہئے اور چھوٹی سے چھوٹی دینی خرابی کو بھی اس کے انتہائی نتائج کی روشنی میں دیکھ کر اس کے علاج کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ کسل منافقوں کی نفسیات کا چونکہ ایک ناگزیر حصہ ہے لہٰذا اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ صورت کو بھی دور کرنے کی ایسی ہی جدوجہد کرنی چاہئے جیسی کوئی سچا مسلمان نفاق سے بچنے کے لئے کرسکتا ہے۔ امید ہے اب ہماری بات واضح ہوگئی ہوگی۔ س: یہاں بار بار نفاق کا ذکر آرہا ہے تو از راہِ کرم یہ بھی واضح کردیں کہ یہ لفظ یہاں کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟

ج: اس کو آپ کسی سخت قانونی معنوں میں نہ لیں بلکہ یہاں اس کا ایک عمومی مفہوم مراد ہے جو

مسلمانوں کی نفسیات میں راسخ ہو چکا ہے یعنی ارادے اور شعور کے بڑے حصے میں دین کا نور موجود نہ ہو تو ایسے آدمی کو مسلمان ہونے کے باوجود، ہماری روایت میں، نفاق کے خطرے میں مبتلا ایک شخص کہا اور سمجھا جائے گا۔ جب ہم شعوری و ارادی کسل کی بات کرتے ہیں تو اس کا واضح مفہوم یہی ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا۔ یہاں نفاق کو اس کے قانونی معنی میں لینے کی بھی پوری گنجائش موجود ہے لیکن ہم اپنی گفتگو میں وہ فضاء پیدا نہیں ہونے دینا چاہتے جس سے امید غالب ہو جائے اور مایوسی غالب آجائے۔ اس لئے ہم نفاق کو اس کے عمومی مفہوم میں رکھنا پسند کریں گے تاکہ بعض واضح مشابہتوں کے باوجود آدمی میں احساس بہرحال زندہ حالت میں موجود رہے کہ ٹوٹا پھوٹا ہی سہی مگر ابھی دین کے ساتھ میرا تعلق باقی ہے جو خراب سے خراب صورت حال میں بھی مجھے مکمل تباہی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

س: گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نفاق کی کسی علامت میں مبتلا ہونے کے باوجود آدمی خود کو مسلمان سمجھتا رہے تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ بہرحال کھلا رہے گا؟

ج: جی ہاں! ہمارے اس خیال کی تصدیق نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی میں چار بری عادتیں ہوں وہ پورے کا پورا منافق ہے اور جس آدمی میں ان چار میں سے کوئی ایک بُری عادت پائی جائے تو وہ اس حد تک منافق ہے جب تک کہ وہ اس عادت کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چار عادتیں یہ ہیں: ۱۔ امانت میں خیانت۔ ۲۔ جھوٹ بولنا۔ ۳۔ وعدہ خلافی کرنا۔ ۴۔ اختلاف و تنازعہ میں شرافت کی حدود پھلانگ جانا۔

اس حدیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان میں بھی بعض اجزائے نفاق جمع ہو سکتے ہیں۔ اس حالت کو نفاق تو یقیناً کہا جائے گا خواہ وہ عمل میں ہو یا عقیدے میں، لیکن اس کے حامل کو مسلمان ہی کی حیثیت سے مخاطب کیا جائے گا اور اس کے مسلمان ہونے کی کسی بھی سطح پر نفی نہیں کی جائے گی۔

س: کسل ایک بڑی بیماری ہے اس کے بارے میں جتنی وضاحت درکار تھی وہ تو بحمد اللہ ہو گئی

اب اس کے علاج کی تدابیر بھی بتا دی جائیں تو بہتر ہوگا؟

ج: کسل کے معالجے میں مندرجہ ذیل تدابیر، ان شاء اللہ، مفید ثابت ہوں گی:

۱۔ تہجد، خواہ عشاء کے بعد ہی کیوں نہ ہو، یہ کسل کو دور کرنے کا قرآنی نسخہ ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے انسانی فکر و عمل میں قلب بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ مسلم روایت میں محقق صوفیاء نے اس بنیاد پر تفصیلی کام کیا ہے اور انسانی سلوک کو بدلنے کی ان کی حکمت عملی میں قلب کا کردار اہم تر ہے (جس کی تفصیل دلچسپ ہے لیکن یہ اس کا موقع نہیں)۔ مسلمان آج تک قلب کی اس اہمیت کو ایک مذہبی عقیدے اور روایت کے طور پر مانتے آئے ہیں اور جب سے ڈاکٹروں اور سائنسدانوں نے انسانی فکر و عمل پر دماغ کے بنیادی کردار کا اثبات کیا ہے بعض عقلیت پسند دانشور قلب کے حوالے سے مسلم صوفیاء کے طرز عمل کو طنز و استہزاء اور تنقید کا نشانہ بناتے رہے ہیں جب کہ صوفیاء کے حامی مختلف توجیہات سے کام لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ بھلا ہو جدید مغربی سائنس اور اس کے 'کافر' سائنسدانوں کا (ہم مسلمانوں کے لئے مقام شرم ہے جو سائنس و ٹیکنالوجی سے دور ہیں اور جنہوں نے تحقیق کو چھوڑ رکھا ہے) جنہوں نے اپنی حالیہ تحقیقات سے یہ ثابت کیا ہے کہ دل محض خون پمپ کرنے کا آلہ نہیں بلکہ دماغ کی طرح ایک فیکلٹی ہے جو ذہانت بھی رکھتی ہے اور انسانی فیصلوں پر اثر انداز بھی ہوتی ہے۔ اس مغربی تحقیق کو ہم تک ڈاکٹر مشتاق گوہر صاحب نے پہنچایا ہے جو امریکہ میں مقیم پاکستانی سائنس دان ہیں، جو ایک سچے مسلمان کا سا قلب و نظر رکھتے ہیں اور قلم و زبان اور دیگر صلاحیتوں کو اسلام کی راہ میں لگائے ہوئے ہیں۔ اردو میں ان کی کئی مفید اور ایمان پرور کتابیں شائع ہو چکی ہیں (جو اذان سحر پبلی کیشنز نزد منصورہ ملتان روڈ، لاہور سے مل سکتی ہیں) قلب پر ان کی یہ تحقیق ان کی لندن سے شائع ہونے والی انگریزی کتاب میں موجود ہے اور اس کے اکثر حصے ان کی اردو کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ ہم ڈاکٹر مشتاق گوہر صاحب کے شکریہ کے ساتھ یہ بحث قسط وار البرہان میں دے رہے ہیں۔ امین

(المزمل ۷۳:۶)

۲۔ ایسی مشغولیت اختیار کرنا جس میں ثواب ہو اور جسمانی مشقت بھی ہو مثلاً لوگوں کے کام کرنا، ورزش کرنا، مسجد میں جانے کا اہتمام رکھنا۔۔۔وغیرہ

۳۔ زبان کو ذکر میں مشغول رکھنے کی کوشش کرنا۔ جس کی زبان ذکر سے تر رہتی ہو وہ کسل مندی کا شکار نہیں ہوسکتا۔

۴۔ طرز زندگی میں سادگی بلکہ مشقت اختیار کرنا
۵۔ سخت تھکن میں کم از کم دو رکعت نفل پڑھ لینا
۶۔ زیادہ وقت بڑوں کی صحبت میں رہنا، خواہ وہ دینی اعتبار سے بڑے ہوں یا دنیوی اعتبار سے۔

میا　را　بزم　　بر ساحل که آنجا
نوائے زندگانی　نرم　خیز　　است

بدریا　　غلط　و　با موجش　در آویز
حیاتِ　جاوداں اندر ستیز است

ڈاکٹر مشتاق گوہر

انسانی فکر و عمل میں قلب کا بنیادی کردار (۱)

جدید سائنس کے حالیہ انکشافات کی روشنی میں

قرآن و حدیث میں انسانی دل کو ذہانت کا منبع اور جذبات اور احساسات رکھنے والا عضو قرار دیا گیا ہے۔ اس دور میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، اس لئے انیسویں صدی تک یہی سمجھا

جاتا رہا کہ انسانی دل کی حیثیت صرف پمپ جیسی ہے جو پورے جسم میں خون پمپ کرتا ہے۔ تاہم بیسویں صدی کے وسط میں سائنس نے پہلی مرتبہ یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ انسانی دل میں بھی انسانی دماغ کی طرح کے ذہانت کے خلیے پائے جاتے ہیں۔ اس انقلابی دریافت کے بعد پھر انسانی دل پر بحیثیت منبع ذہانت (Source of Intelligence) کے مغرب میں کئی اہم سائنسی تحقیقات ہوئیں۔ ان تحقیقات کو اس بحث میں مختصراً پیش کیا جائے گا تاکہ ہمیں اس بات کا اندازہ ہوسکے کہ سائنس آج ان حقائق کو دریافت کر رہی ہے جو قرآن اور حدیث نے 1400 سو سال پہلے بیان کر دیئے تھے۔

انسانی دل کے اندر چھوٹا سا دماغ۔۔۔جدید سائنسی تحقیق

انیسویں صدی حتیٰ کہ بیسویں صدی کے نصف تک سائنس دانوں کے حلقوں میں انسانی دل کو صرف خون کو پمپ کرنے والا ایک عضو ہی سمجھا جاتا تھا۔لیکن پھر کچھ مزید سائنسی تحقیقات ہوئیں تو سائنس، دل کے متعلق اس بات کو سمجھنا شروع ہوئی جو قرآن نے اور آقائے نامدار (ﷺ) نے چودہ سو سال پہلی کہی تھی۔ جیسا کہ تفسیر قرآن کے ماہر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا تھا: **من أیاتہ مالا تفسر الا بمرور زمان**

اس قرآن میں ایسی آیات ہیں جنہیں صرف وقت گزرنے کے ساتھ ہی سمجھا جاسکے گا (یعنی جیسے جیسے سائنسی علوم ترقی کریں گے)

انسانی دل کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا کہ جدید سائنس نے انسانی دل کے متعلق اب یہ سمجھنا شروع کیا ہے کہ اس میں بھی ذہانت کے خانے ہیں۔ انسانی دل پر جدید تحقیقات کی بنیاد پر کینیڈا کے سائنس دان ڈاکٹر جے انڈریو آرمر (Dr. J. Andrew Armour, M.D. Ph.D) نے ایک نئے میڈیکل فیلڈ کی بنیاد رکھی ہے، جس کا نام ہے نیورو کارڈیالوجی (Neurocardiology) یعنی انسانی دل کا اعصابی نظام (Nervous System)۔ ڈاکٹر آرمر نے دل کے اعصابی نظام کے لئے ''دل کے اندر چھوٹا سا دماغ'' (A Little brain in the Heart) کی اصطلاح وضع کی ہے۔

یہ اس لئے کہ انہوں نے دریافت کیا ہے کہ انسانی دل کے اندر تقریباً چالیس ہزار (40,000) اعصابی خلیے (Nerve Cells) پائے جاتے ہیں۔ یہ وہی خلیے ہیں جن

ہر عہد کا ایک فتنہ اور چیلنج ہوتا ہے۔ اسلامی حوالے سے دیکھیں تو عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے فتنہ اور چیلنج مغربی فکر و تہذیب ہے۔ آج مسلمانوں کو جتنے بھی مسائل کا سامنا ہے جن میں ان کی سیاسی اور نظریاتی بقاء جیسا بنیادی مسئلہ بھی شامل ہے، ان کا صحیح فہم و ادراک اور علاج ممکن ہی نہیں جب تک وہ مغربی فکر و تہذیب کو نہ سمجھیں اور اہل مغرب کی اسلام اور مسلم دشمنی کے اسباب اور ان کی حکمت عملی سے واقف نہ ہوں لیکن مسلمانوں کی بے حسی اور غفلت کا یہ عالم ہے کہ ان کے ہاں مغرب اور اس کی فکر و تہذیب کو سمجھنے کی کوئی تحریک سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کسی یونیورسٹی یا کسی دینی مرکز میں مطالعۂ مغرب کا کوئی ادارہ موجود نہیں اور اس موضوع پر اردو میں لٹریچر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس باب میں زندہ قوموں کا وطیرہ کیا ہوتا ہے؟ یہ جاننے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اہل مغرب کا واسطہ جب مسلمانوں سے پڑا تو ان کے ہاں علم کی ایک پوری شاخ مطالعۂ مشرق یا اوری اینٹلزم (Orientalism) کے نام سے وجود میں آئی اور اس شعبے کے کام کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ آج اس کا جائزہ لینے کے لئے بھی سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ خود ہماری اپنی روایت بھی یہی رہی ہے چنانچہ امام غزالی (م 1111ء) نے جب یونانی فکر کے چیلنج سے نمٹنا چاہا تو پہلے یونانی فکر کا تفصیلی مطالعہ کیا جس کی مظہر ان کی کتاب 'مقاصد الفلاسفہ' ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یونانی فکر کا رد کیا اور 'تھافۃ الفلاسفہ' لکھی۔ بہرحال ہم اپنی استطاعت کی حد تک البرہان میں مغربی فکر و تہذیب کی تفہیم کے لئے کچھ نہ کچھ لوازمہ قارئین کو فراہم کرتے رہیں گے، ان شاء اللہ۔ جن اہل علم کو اس موضوع پر دسترس حاصل ہو اور وہ اس پر لکھنا چاہیں وہ البرہان سے رابطہ فرمائیں۔ امین

سے دماغ بنتا ہے۔ یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ دماغ کے کئی چھوٹے حصے اتنے ہی اعصابی خلیوں سے مل کر بنتے ہیں۔ مزید برآں دل کے یہ خلیے دماغ کی مدد کے بغیر کام کر سکتے ہیں۔ دل کے اندر پایا جانے والا یہ دماغ پورے جسم سے معلومات لیتا ہے اور پھر موزوں فیصلہ کرنے کے بعد جسم کے اعضا حتیٰ کہ دماغ کو بھی جوابی ہدایات دیتا ہے۔

علاوہ ازیں دل کے اندر موجود دماغ میں ایک طرح کی یاداشت (Short Term Memory) کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ دل کو دھڑکنے (Heart Beat) کے لئے دماغ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ دل کی پیوند کاری کے آپریشن (Heart

transplant operation) میں دل اور دماغ کے درمیان تمام رابطے کاٹ دیے جاتے ہیں اور جب دل نئے مریض کے سینے میں لگایا جاتا ہے تو وہ پھر سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ ان تمام تحقیقات کو پیش کرنے کے بعد جو ڈاکٹر انڈریو آرمر اور ان کے معاون سائنس دانوں نے دل کے اعصابی نظام پر کی ہیں، ڈاکٹر آرمر اپنی کتاب Neurocardiology: Anatomical and functional) Principles... مطبوعہ کیلیفورنیا 2003ء) میں لکھتے ہیں:

"The heart possessed it own little brain, capable of complex computational analysis on its own ...an understanding of the complex anatomy and function of the heart's nervous system contributes an additional dimension to the newly emerging view of the heart as a sophisticated information processing center, functioing not only in concert with the brain but also independent of it."

(انسانی دل کے پاس اپنا چھوٹا سا دماغ ہوتا ہے جو اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنی مدد آپ کے تحت مشکل قسم کے تجزیے کر سکتا ہے۔ دل کے اعصابی نظام کی ساخت اور کارکردگی کے متعلق جاننے سے ہمارے علم میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہوا ہے جس کے مطابق انسانی دل نہ صرف دماغ کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے بلکہ دماغ کی مدد کے بغیر آزادانہ طور پر فرائض ادا کرتا ہے)۔

(جاری ہے)

تفہیم مغرب ڈاکٹر محمد امین

مغربی فکر کی اساسیات

ہیومنزم (Humanism)

سادہ الفاظ میں ہیومنزم کا مطلب ہے وہ نظریہ جس میں انسان اور اس کی آزادی،

اقدار تزکیۂ نفس کا اظہار اعمال کی شکل میں دو پہلوؤں سے ہوتا ہے: ایک ترکِ رذائل یعنی بری خصلتوں کا ترک یا ان اعمال کو چھوڑ دینا جن کے کرنے سے اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے منع کیا ہے اور دوسرے اکتسابِ فضائل یعنی صفات حمیدہ کو اپنانا یا دوسرے لفظوں میں وہ کام کرنا جن کے کرنے کا اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے حکم دیا ہے۔

اور خواہشات کو مرکزی حیثیت دی گئی ہو۔ چنانچہ اس نظریے کے جو آثار ہمیں یونانی فلسفے سے منتقل ہوتے نظر آتے ہیں، ان میں اس کا مفہوم انسانیت نوازی کا ہے۔ چودھویں صدی میں اس لفظ کا استعمال اطالوی ہیومنسٹ (Petrarch) نے کیا جس نے انسانیات (Humanities) کے حوالے سے قدیم لاطینی دانش کے احیاء کی کامیاب کوششیں کیں۔ لیکن تحریک احیائے علوم (یا Renaissance جسے یورپ کی تحریک سأ ۃ ثانیہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا)، اصلاح مذہب کی تحریک (Reformation)، تحریک تنویر (Enlightenment) اور مغرب میں سائنسی طرزِ فکر کے غلبے کے بعد انیسویں اور بیسویں صدی میں اس نظریے میں ہمیں سیکولرزم اور دین دشمنی کے رجحانات غالب نظر آتے ہیں (گو بعض ایسے ہیومنسٹ بھی ہیں جو مذہب کی تردید نہیں کرتے)۔ بیسویں صدی میں ہیومنزم کا اظہار کئی صورتوں میں ہوا ہے۔ موجودیت (Existentialism) اور مظہریت (Phenomenology) بھی اسی کا ایک پرتو ہیں۔ سائنٹیفک ہیومنزم کے علمبردار مذہب کو دیس نکالا دے کو سائنسی علوم کے ذریعے فرد کی آزادی اور اس کی بہتری کے لئے کام کرنے کے دعویدار ہیں۔ (عیسائی) مذہب میں یقین رکھنے والے جن دانشوروں نے ہیومنزم کا علم سنبھالا (جیسے ارونگ بابط (Irving Babbitt) اور جیکوئز ماریتان (Jacques Maritain) انہوں نے خدا، چرچ، عبادت اور دعاء جیسی مذہبی اصطلاحات کو ان کے روایتی

1. Sartre, Jean. Paul, *Existentialism as Humanism* (Tr. Philip Mairet), Routledge, London, 1997, P-284

2. Sartre, Jean. Paul, *Being and Nothingness*, Philosophical Library, New York, 1956, P-122.

مفاہیم سے الگ کر کے انہیں نئے معانی پہنانے کی کوشش کی۔ کیرک گرڈ، کارل جاسپرز اور جنریل مارسل نے بھی موجودیت اور عیسائی مذہب کے درمیان تلفیق کی ناکام کوشش کی تاہم مارٹن ہائیڈیگر اور ژاں پال سارتر نے کھلم کھلا موجودیت کو الحادی رنگ دے دیا۔ ہائیڈیگر کے نزدیک انسان ایک شے نہیں بلکہ ایسا وجود ہے جو صاحب اختیار ہے اور قوت فیصلہ رکھتا ہے۔ وہ انسان کو صداقت کا موجد بھی سمجھتا ہے اور انسان کے مقابلے میں خدا کا بھی قائل نہیں ہے۔

سارتر نے اپنی تالیف (Existentialism as Humanisim) میں ہیومنزم کا موجودیاتی تصور پیش کیا ہے۔ وہ ہیومنزم کو انسان دوستی کی بجائے انسان پرستی تک پہنچا دیتا ہے بلکہ اسے خدا بنا دیتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے ''میرا عقیدہ یہ ہے کہ سوائے انسانی کائنات کے کوئی کائنات نہیں ہے اور یہی ہمارا ہیومنزم ہے جس سے ہم انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ سوائے انسان کے کوئی اس کے لئے قانون نہیں بنا سکتا۔ ہم نے مذہب کو کھو دیا ہے لیکن ہیومنزم کو پالیا ہے۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو آزاد کرایا جائے، اسے قادر مطلق سمجھا جائے۔ ہم نے خدا کے وجود سے انکار کر دیا ہے تا کہ انسان خود انسان کے لئے وجود مطلق بن جائے۔''(۱)

سارتر کی مابعدالطبیعیات کا ایک اہم تصور یہ ہے کہ کائنات میں کسی قسم کا نظم و تناسب موجود نہیں ہے۔ اس میں جو توافق نظر آتا ہے وہ خود انسان کے ذہن کا دیا ہوا ہے۔ وہ اس بات کا بھی قائل نہیں ہے کہ کائنات عدم سے وجود میں آئی ہے وہ خدا کے وجود کا منکر ہے اور اپنے فلسفے کو ملحدانہ ہیومنزم کا نام دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو انسان فاعل مختار نہیں رہتا۔ اس کے خیال میں یا تو انسان فاعل مختار ہے، خدا کا محتاج نہیں ہے اور یا وہ خدا کا محتاج ہے اور مجبور ہے۔ وہ پہلی شق کا قائل ہے۔ وہ خدا کا اس لئے بھی قائل نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی ذی شعور ہستی کو تسلیم نہیں کر سکتا جو بیک وقت کائنات میں جاری و ساری بھی ہو اور اس سے ماوراء بھی جیسا کہ اہل مذہب کا ادعاء ہے۔ وہ معروضی قدروں کا بھی منکر ہے اور اپنے فلسفے کو ملحدانہ ہیومنزم کا نام دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان اپنی ضرورت اور مرضی سے

اپنی اخلاقی قدریں خود تخلیق کرتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے سارتر کے نظام فکر میں کسی قسم کی ازلی وابدی صداقتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔(۲)

سارتر کے ان اقوال کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ ہیومنزم صرف انسان دوستی اور انسان نوازی نہیں کا نام نہیں بلکہ یہ خدا کی خدائی کا انکار اور اس کے مقابلے میں فرد کی خدائی کے اثبات کا نام ہے۔ یہ صرف وحی اور مذہب کی برتری کا انکار نہیں بلکہ خود اس کی جگہ لینے کا ادعاء بھی ہے۔

سیکولرزم(Secularisim)

سیکولرزم کے مفاہیم انسان کی فکری تاریخ کا حصہ رہے ہیں اور اہل یونان میں بھی نظر آتے

سیلاب و آفات

۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ یہ سیلاب و آفات اور جانی و مالی نقصان ہمارے لئے امتحان اور آزمائش ہیں کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیتے ہیں یا نہیں، اللہ سے توبہ کرتے ہیں یا نہیں اور آئندہ کے لئے سدھرنے کا عزم کرتے ہیں یا نہیں؟

۔ جو لوگ اس مصیبت سے بچ گئے ہیں کیا انہوں نے کبھی اس پر اللہ کا شکر ادا کیا ہے؟ کیا وہ ان بھائیوں کی مدد کے لئے جو ان آفات کا شکار ہوئے ہیں، کبھی مضطرب اور متحرک ہوئے ہیں؟

۔ کیا ہم نے کبھی مسائل کے پیچھے چھپے ہوئے اصل اسباب پر غور کرنے کی زحمت کی ہے؟ مثلاً کتنے لوگوں نے سوچا ہے کہ دریائے سندھ، جہلم، چناب میں طغیانی آئی ہے راوی میں کیوں نہیں آئی؟ کیونکہ بھارت نے اس میں پانی چھوڑا ہی نہیں۔ گویا آفت سماوی بھی ہے لیکن اس کے پیچھے دشمن کی چال بھی ہے! کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہمارے ماضی کے ایک حکمران نے ورلڈ بنک کے یہودیوں کے کہنے پر اپنے دریا کیوں فروخت کئے تھے اور کون لوگ ہیں جو دشمن کے بہکاوے پر ہمیں بڑے ڈیم نہیں بنانے دیتے؟ کیا ہم اتنے سادہ لوح ہیں کہ ہمیں دشمنوں کی سازشیں اور اپنوں کی حماقتیں نظر نہیں آتیں؟ اور ہم اس صورت حال کو سدھارنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتے! **فھل من مدکر؟**

ہیں۔تاہم کہا جا سکتا ہے کہ اس نام کے بغیر اس کی ابتداء سولہویں صدی کے انگلستان میں اس وقت ہوئی جب وہاں سیاسی اقتدار مذہبی حلقوں سے سیاسی حلقوں کو منتقل ہوا اور فیصلے مذہبی

ہم جس اصلاحی حکمت عملی کے موید ہیں اس کا عملی اظہار ہماری ان کوششوں سے ہوتا ہے جو ہم تحریک اصلاح تعلیم اور ملی مجلس شرعی کے عنوان سے کر رہے ہیں۔اس حوالے سے ہم جو کچھ آج تک کر پائے ہیں وہ اگرچہ بہت تھوڑا ہے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں تاہم اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سراپا سپاس ہیں اور جو نہیں کر پائے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے ہم سراپا اضطراب اور مصروف جدوجہد ہیں اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق اور اس کی نصرت کے طلب گار ہیں۔ ہمارے ان کاموں کی ایک مختصر سی روداد حاضر خدمت ہے۔ امین

عدالتوں کی بجائے سول عدالتوں میں ہونے لگے۔اس تحریک کی ابتداء اس نام سے انیسویں صدی کے وسط میں انگلستان میں ہوئی۔اس کا بانی جارج جیک ہولیوک(Holyoake) تھا جو ۱۸۱۷ء میں برمنگھم میں پیدا ہوا۔ ۱۸۴۱ء میں جب اس کا یقین خدا پر سے اٹھ چکا تھا، اسے مذہبی تعلیمات کی توہین کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا۔ وہ چونکہ اسے ناانصافی گردانتا تھا اس لئے اس وقت کے مذہبی، سیاسی اور اخلاقی نظام کے خلاف اس کے دل میں کدورت پیدا ہوگئی۔ اس کے ساتھیوں میں سے چارلس ساؤتھ ویل، براڈلے، چارلس واٹ وغیرہ معروف ملحد تھے لیکن ہولیوگ سیکولرزم اور الحاد کو مترادف نہ گردانتے پر اصرار کرتا تھا تا کہ مذہب کے ماننے والوں میں سے آزاد خیال لوگ اس کی تحریک میں شامل ہوسکیں۔

سیکولرزم کا فلسفہ یہ تھا کہ موجودہ دنیوی زندگی اور اس کی بہتری اور خوشحالی ہی ہمارا مطمح نظر ہونا چاہئے۔آخرت کی زندگی سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کیونکہ وہ ہمارے تجربے میں نہیں آتی۔ خدا اور مذہب اگر موجودہ زندگی کی خوشی اور خوشحالی پر منفی طور پر اثر انداز نہیں ہوتے تو ہمیں اس سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ہر طرح کی مکمل آزادی ہونی چاہئے تا کہ وہ اس دنیا کی زندگی کے مسائل حل کر سکے اور اپنی مرضی اور خوشی سے جیسے چاہے، جی سکے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ مذہب کو موجودہ دنیوی زندگی یعنی سول سوسائٹی اور سٹیٹ

کے مختلف شعبوں (سیاست، معیشت، معاشرت، قانون، تعلیم وغیرہ) میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اور نہ اجتماعی زندگی کے ان شعبوں میں مذہبی تعلیمات کو کوئی کردار ہونا چاہئے۔ اپنی انفرادی زندگی میں کوئی فرد اگر خدا یا آخرت کو مانتا ہے تو اس پر ہمیں اعتراض نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ نقطۂ نظر مذہب کی نفی کو مستلزم ہے کیونکہ ہر مذہب خدا اور آخرت کے تصور پر موجودہ زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔ اس طرح سیکولرزم نے بالواسطہ طور پر نہ صرف روایتی مذہب کی نفی کی ہے بلکہ خود عملاً اس کی جگہ لے لی ہے۔ اس نے مذہب کے دائرہ کار کو محدود کرنے اور اسے غیر مؤثر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سیکولرزم کا مطلب ہی یہ ہے کہ خدا کا اقتدار مطلق اور لامحدود نہیں ہے۔ مغرب کا انسان دنیا کی زندگی خدا کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا ہے گویا دنیا کی زندگی میں وہ خود اپنا خدا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ رویہ نہ صرف خدا اور وحی کی نفی اور مذہب سے انکار کے مترادف ہے بلکہ یہ انسان کی اپنی خدائی کا اعلان بھی ہے۔

ہماری سرگرمیاں: تعلیم وتربیت

تحریک اصلاح تعلیم (ٹرسٹ)

صحیح تعلیم وتربیت کی اہمیت

فرد اور معاشرے کی ہدایت اور بہتری کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں 'اصلاح' کی جو حکمت عملی طے کی ہے (ھود ۱۱:۸۸) اس کی اساس تعلیم وکتاب وحکمت اور تزکیہ کی وہ پالیسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بتایا ہے کہ وہ ہمیشہ سے سارے انبیاء کی پالیسی رہی ہے، اور خصوصاً پیغمبر اعظم وآخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ نے یہی اصول ولائحہ عمل دے کر بھیجا تھا کہ وہ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کریں تاکہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزاریں اور آخرت میں اس کی رضا اور خوشنودی سے ہمکنار ہوں۔ "تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ" کو آج کی

اصطلاح میں ہم تعلیم وتربیت کہہ سکتے ہیں ۔مطلب یہ کہ تعلیم قرآن حکیم (مع سنت رسولؐ جو قرآن حکیم ہی کی تشریح وتبیین ہے اور وہ معاون علوم جن کے بغیر خودقرآن وسنت کونہیں سمجھا جاسکتا جیسے عربی زبان کی تعلیم وتدریس وغیرہ) ہمارے نظامِ تعلیم کا بنیادی جزو ہونی چاہئے اور دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے جن دیگر علوم وفنون کی ہمیں ضرورت ہو وہ بھی قرآن وسنت پر مبنی اور ان کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں اور ان کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں۔ اور اس تعلیم کے ساتھ ساتھ اور اس کا نتیجہ ایسی تربیت وتزکیہ یعنی تعمیر سیرت وکردار ہونی چاہئے جس سے فرد اللہ کا حقیقی 'عبدٗ' بن جائے اور اپنی زندگی اپنے آقا ومولیٰ کے احکام کے مطابق گزار سکے تاکہ وہ دنیا وآخرت کی حسنات سمیٹ سکے۔

مذکورہ دو نکات پر مبنی لائحہ عمل جسے آج کل کی اصطلاح میں تعلیم وتربیت کہا جاسکتا ہے، دنیا اور آخرت میں کامیابی، ہر قسم کی انفرادی اصلاح، اجتماعی تبدیلی اور مسلم نشأۃ ثانیہ کی بنیاد ہے لیکن ہم نے بحیثیت مجموعی اس اہم حقیقت سے غفلت برتی ہے اور اس کے تقاضوں کو کماحقہ پورا کرنے کی طرف توجہ نہیں دی۔

بگاڑ کی صورتیں

پاکستان میں تعلیم کم ہے،ثنویت پر مبنی ہے،غیر معیاری ہے،محض کاروبار بن چکی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نظریاتی جہت سے عاری ہے اور مسلمان طلبہ کو ان کے بنیادی مقصدِ زندگی کے لئے تیار نہیں کرتی یعنی دنیوی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزارنا تاکہ آخرت میں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوجائے۔

تعلیمی ثنویت کا نقصان یہ ہے کہ تعلیم دینی مدارس اور جدید مغربی طرز کے اداروں میں تقسیم ہوکر رہ گئی ہے جس کا نقصان یہ ہے کہ ہمارے ہاں مذہبی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے جو اس کے فضلاء کو موجودہ زمانے کی ضرورتوں، تقاضوں اور چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور جدید مسلم معاشرے کی رہنمائی کے قابل نہیں بناتی۔دوسری طرف جدید اور عمومی تعلیم ہے جو بڑی حد

تک مغربی طرزِ فکر و عمل کی نقالی پر مبنی ہے اور دینی تعلیم و تربیت سے تقریباً تہی دست ہے۔اس کے نتیجے میں ہمارے ہاں متوازن کردار کی حامل شخصیت پیدا ہی نہیں ہو رہی اور یہی وجہ بنیادی طور پر ہماری دین سے دوری ،اخلاقی زبوں حالی ،سیاسی عدم استحکام، معاشی زوال اور سماجی اقدار اور اداروں کی شکست و ریخت کی ذمہ دار ہے۔

اصلاح کی حکمت عملی

اس صوت حال کی بہتری کے لئے تحریک اصلاح تعلیم کی حکمت عملی یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم و تربیت مندرجہ ذیل منہاج پر مبنی ہونا چاہئے:

۱۔ جدید تعلیم اسلامی تناظر میں اور مذہبی تعلیم کے ساتھ دی جائے۔

۲۔ مذہبی تعلیم میں عصری علوم اور جدید تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

۳۔ مذکورہ دونوں تعلیمی دھاروں میں اسلامی تناظر میں تربیت کا اہتمام کیا جائے اور ان میں وحدت کی سعی کی جائے۔

۴۔ مغربی فکر و تہذیب کی اندھی نقالی سے بچا جائے۔

اصلاحی اقدامات

اس صورتِ حال کو بدلنے اور نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے ڈاکٹر محمد امین صاحب نے ۱۹۸۸ء میں ارقم فاؤنڈیشن قائم کی اور زیادہ تر انفرادی کوششوں کے ذریعے اس مقصد کے لئے کام کرتے رہے۔۲۰۰۱ء میں تحریکِ اصلاحِ تعلیم کو ایک ٹرسٹ کے طور پر رجسٹرڈ کرایا گیا تاکہ اجتماعی کوششوں کو بروئے کار لایا جاسکے۔

ٹرسٹ کے پیشِ نظر شروع ہی سے تعلیمی اصلاح کے کام کے دو پہلو تھے۔ ایک موجودہ تعلیمی نظام اور اداروں کی اصلاح اور دوسرے موجودہ تعلیمی ثنویت کو ختم کرتے ہوئے وحدت کی بنیاد پر اور اسلامی تناظر میں ایک نئے رول ماڈل تعلیمی ادارے کا قیام جس میں سکول،

اسلامک سنٹر، کالج اور ریسرچ سنٹر ہو اور یہ سب مل کر بالآخر ایک جدید یونیورسٹی کی شکل اختیار کر جائیں جس کی زیادہ ترکیز سوشل سائنسز پر ہو اور جس میں جدید عمومی تعلیم اس طرح دی جائے کہ دینی تعلیم و تربیت اور کردار سازی اس کا موثر حصہ ہو۔ اور دین کی خصوصی تعلیم اس طرح دی جائے کہ وہ جدید مسلم معاشرے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق ہو، عصری افکار کے چیلنجوں کا مقابل کر سکے اور معاشرے کو جدید تناظر میں رہنمائی مہیا کر سکے۔ اس ضمن میں آج تک ٹرسٹ نے انتہائی محدود افرادی قوت اور انتہائی قلیل مالی استعداد کے باوجود جو کام کئے ہیں ان کی تفصیلات انتہائی اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں۔ سہولت بیان کی خاطر ہم دینی مدارس اور جدید تعلیمی اداروں کی اصلاح کے لئے کیے گئے کاموں کو الگ الگ بیان کریں گے اور اسکے بعد رول ماڈل تعلیمی ادارے کے قیام کا ذکر ہو گا۔

جدید تعلیمی اداروں کے لئے اصلاحی اقدامات

۱۔ نصاب سازی

۱۹۹۰ تا ۱۹۹۲ء ایک نیم حکومتی تعلیمی فاؤنڈیشن کے ساتھ مل کر پہلی سے بارہویں جماعت تک سارے مضامین کے لئے اسلامی تناظر اور جدید عصری تقاضوں کے مطابق نیا نصاب تشکیل دیا گیا جو ۲۵۰ صفحات کی ایک مطبوعہ رپورٹ کی صورت میں موجود ہے اور کئی تعلیمی ادارے اس رپورٹ سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

۲۔ نصابی کتب

مذکورہ بالا نصابی کام کو بنیاد بناتے ہوئے ٹرسٹ کے نائب صدر جناب پروفیسر ملک محمد حسین نے آفاق اور سحر سیریز کے نام سے بیسوں نصابی کتب مدون کیں جو اس وقت پاکستان بھر کے بہت سے سکولوں میں مروج ہیں صدر ٹرسٹ (ڈاکٹر محمد امین) کی مرتب کردہ بعض نصابی کتب بھی کئی اداروں میں زیر استعمال ہیں۔

۳۔ اشاعت لٹریچر

اپنی اصلاحی تحریک کو عام کرنے کے لئے ٹرسٹ نے کافی لٹریچر تیار کیا ہے۔صدر ٹرسٹ کی تالیف کردہ کتب 'ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل'، 'تعلیمی ادارے اور کردار سازی'، 'پاکستان میں تعلیمی کی اسلامائزیشن'، 'اسلام اور تزکیہ نفس'، 'مسلم نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل'۔۔۔۔ملک کے علمی اور تعلیمی حلقوں میں معروف ومتداول ہیں۔علاوہ ازیں بعض بروشرز ہزاروں کی تعداد میں طبع کرا کے سکولوں میں مفت تقسیم کئے گئے جن میں سے چند ایک کے عنوانات یہ ہیں: ۱۔ پرائیوٹ سکولوں کے نام۔ایک اہم پیغام ۲۔ اسلامی تربیت۔کیوں اور کیسے؟ ۳۔ انگلش میڈیم۔فائدے اور نقصانات ۴۔مسلمانوں کی ترقی کا واحد راستہ۔

علاوہ ازیں تحریک کے صدر اور سیکریٹری علمی جرائد اور اخبارات میں اصلاح تعلیم کے حوالے سے مضامین و مقالات مسلسل لکھتے رہتے ہیں۔ٹرسٹ کے ایک رکن پروفیسر رب نواز صاحب مرحوم کی تعلیم کے فنی پہلوؤں پر اسلامی تناظر میں کئی کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔

۴۔ٹیچرز ٹریننگ

ٹرسٹ کے زیر اہتمام تربیت اساتذہ کے پروگرام مسلسل جاری رہتے ہیں خصوصاً اس کے صدر اور سیکریٹری لاہور اور بیرون لاہور تربیت اساتذہ کے پروگراموں میں شرکت کرتے رہتے ہیں اور اپنا اسلامی اور اصلاحی ایجنڈا اساتذہ کے سامنے رکھتے رہتے ہیں۔تحریک کے سیکرٹری جنرل وزارت تعلیم اسلام آباد اور لاہور کے سٹاف دویلپمنٹ ڈائریکٹوریٹ کے ٹریننگ پروگراموں کے باقاعدہ ریسورس پرسنز میں سے ہیں۔

۵۔مشاروت و رہنمائی

ٹرسٹ کے منتظمین بہت سے تعلیمی اداروں کو بلا معاوضہ مشاورت و رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔مقصود اس سے یہ ہے کہ ادارے نہ صرف تعلیمی سہولتوں کے لحاظ سے ترقی کریں بلکہ اسلامی تناظر میں نصاب کی بہتری، اساتذہ کی تربیت، ہم نصابی سرگرمیوں اور طلبہ کی تربیت کے حوالے سے بھی ان کو مفید مشورے اور رہنمائی مہیا کی جاتی رہے۔ٹرسٹ کے صدر و سیکرٹری جنرل کے علاوہ اس کام میں ٹرسٹ کی انتظامیہ کے ارکان جناب عزیز احمد مرزا

صاحب اور پروفیسر سید وقار علی کاری صاحب کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔ٹرسٹ کے سیکریٹری جنرل کی نگرانی میں لاہور کے ۳۰ سرکاری سکولوں میں طلبہ کی کردار سازی کا ایک مضبوط اور متنوع پروگرام زیر عمل ہے نیز ان سکولوں میں معیار تعلیم کی بہتری کے لئے اقدامات کیے جارہے ہیں۔

۶۔میٹریل ڈویلپمنٹ

یونیورسٹی سطح کے نصابات کو اسلامی تناظر میں مدون کرنا اور اس کے مطابق تعلیمی مواد اور نصابی کتب تیار کرنا ایک بہت بڑا اور انتہائی اہم منصوبہ ہے۔ٹرسٹ اس کام کو کرنا چاہتا ہے لیکن مالی وسائل کی کمی اس میں حارج ہے۔اس کے باوجود ٹرسٹ نے ۸۔۲۰۰۷ء میں لاہور کی مختلف یونیورسٹیوں کے پروفیسرز کو جمع کیا اور انہیں اس کام پر آمادہ و تیار کرنے کی کوشش کی۔اس ضمن میں جامعہ پنجاب میں کئی سیشن ہوئے جس میں شرکاء کی خرد افروزی اور تربیت کے لئے کئی لیکچرز ہوئے اور اسلامی علوم کے ماخذ تک رسائی اور عربی زبان کی تفہیم کے لئے ایک کورس کا انعقاد کیا گیا۔ٹرسٹ مستقبل میں اس کام کو زیادہ بہتر اور منظم انداز میں کر نے کا خواہاں ہے بشرطیکہ تحقیقی کام اور اس کی اشاعت کیلئے ضروری مالی معاونت میسر ہو۔

۷۔ورکشاپس اور سیمینارز

ٹرسٹ اپنی اصلاحی فکر کو تعلیمی اور علمی حلقوں تک پہنچانے کے لئے مندرجہ بالا اقدامات کے علاوہ وقتاً فوقتاً ورکشاپس اور سیمینارز منعقد کرتا رہتا ہے۔اس سلسلے میں جامعہ پنجاب، ہمدرد سنٹر لاہور، اسلام آباد، فیصل آباد، سکھر اور کراچی میں کئی پروگرام منعقد کئے جا چکے ہیں۔ٹرسٹ کے منتظمین دیگر تعلیمی اداروں کے زیر اہتمام ہونے والی تعلیمی کانفرنسوں اور سیمینارز میں بھی شرکت کرکے اپنا اصلاحی ایجنڈا آگے بڑھانے کی تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔

دینی مدارس کی تعلیم کے لئے اصلاحی اقدامات

ا۔اصلاحِ نصاب

ٹرسٹ نے ۲۰۰۰ء میں دینی مدارس کے نظامِ تعلیم خصوصاً نصاب کی اصلاح کے لئے ایک مہم شروع کی۔اس نے نصابی اصلاح کے لئے ایک ورکنگ پیپر تیار کیا اور اس پر حکومت سے منظور شدہ ملک کے چار وفاقوں یعنی امتحانی بورڈز (۱۔وفاق المدارس العربیہ [دیو بندی مسلک] ۲۔تنظیم المدارس [بریلوی مسلک] ۳۔وفاق المدارس السّلفیہ [اہلحدیث مسلک] اور رابطۃ المدارس [جماعت اسلامی]) کے سرکردہ علماء اور پنجاب کے بڑے دینی مدارس کے مہتمم حضرات سے ڈیڑھ سال کی مشاروت اور ڈائیلاگ کے بعد بالآخر ان سے تعلیمی و نصابی اصلاح کا ایک پیکیج منظور کروانے میں کامیاب ہوگیا۔اس اصلاحی پیکیج پر سارے مسالک کے علماء کرام کے تائیدی دستخط موجود ہیں اور یہ طبع شدہ ہے۔

اس اصلاحی پیکیج کی منظوری کے بعد اور اس کو بنیاد بناتے ہوئے ٹرسٹ نے دینی مدارس کے لئے آٹھ سالہ متبادل نصاب تیار کیا اور مدارس اور وفاقوں کو مہیا کیا۔بعض وفاقوں اور دینی مدارس نے ٹرسٹ کی بعض تجاویز پر جزواً عمل درآمد بھی کیا۔

۲۔تدریب المعلمین

ٹرسٹ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مدارس اگر چاہیں بھی تو وفاق کی وجہ سے نصاب تبدیل نہیں کر سکتے اور وفاقوں کے اندر نصاب کی تبدیلی بوجوہ انتہائی مشکل ہے، کام کرنے کا یہ راستہ نکالا کہ دینی مدارس کے اساتذہ کی تربیت کا آغاز کر دیا۔چنانچہ ۲۰۰۳ء میں تدریب المعلمین کا چھ ماہ کا ایک کورس بیت الحکمت لائبریری لاہور اور جامع آسٹریلیا میں منعقد کیا گیا۔اگلے سال نو ماہ کا ایک اقامتی کورس وفاقی کالونی کی ایک مسجد اور مدرسے میں رکھا گیا۔۲۰۰۶ء میں تدریب المعلمین کا ایک سہ ماہی اقامتی کورس محکمہ اوقاف پنجاب کے تعاون سے علماء اکیڈیمی میں منعقد کیا گیا اور چار ماہ کا ایک کورس ۲۰۰۸ء کے اوائل میں ٹرسٹ نے اپنے قائم کردہ ادارے صفا انسٹی ٹیوٹ میں منعقد کیا۔

ان کورسز کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سارے مسالک کے طلبہ شریک ہوتے

ہیں اور یوں مسلک پرستی سے بُعد پیدا ہوتا اور باہمی محبت و اخوت کو فروغ ملتا ہے۔ ان کورسز میں طریقہ ہائے تدریس کے علاوہ انگریزی زبان، عربی تقریر و تحریر، مغربی فکر و تہذیب اور عمرانی و سائنسی علوم کا تعارفی مطالعہ، تقابل ادیان، اسلام و عصری مسائل اور کمپیوٹر کی تدریس شامل ہوتی ہے۔ ۲۰۰۷ء میں ایک تربیتی کورس دینی مدارس کے مہتمم حضرات کے لئے بھی رکھا گیا جس میں مدارس کے اداراتی اور نصابی مسائل زیر بحث آئے۔ علاوہ ازیں بعض مدارس میں آن دی جاب ٹریننگ کا تجربہ بھی کیا گیا جن میں جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور اور جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور شامل ہیں۔ یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ان ٹریننگ کورسوں میں اساتذہ بھی مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں جب کہ یونیورسٹی پروفیسرز بھی ان تربیتی سرگرمیوں میں شریک ہوتے ہیں۔

۳۔ مشاورت و رہنمائی

ٹرسٹ بعض مدارس کو بلا معاوضہ مشاورت بھی مہیا کرتا ہے خصوصاً اعلیٰ تعلیم، دینی تربیت اور جدید علوم کی تدریس کے حوالے سے۔ اس ضمن میں معہد ام القریٰ جامعہ اشرفیہ لاہور اور جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ فیصل آباد کے لئے خصوصی رپورٹیں بھی تیار کی گئیں۔

۴۔ اشاعت لٹریچر

ٹرسٹ کے صدر چونکہ خود علوم اسلامیہ اور عربی کے پروفیسر ہیں اور معتدل دینی نظریات رکھتے ہیں لہٰذا انہیں دینی مدارس کے ساتھ ورکنگ ریلیشن شپ قائم کرنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ دینی مدارس کی تعلیم، نصابات اور دوسرے مسائل پر دینی جرائد اور اخبارات میں مضامین لکھتے رہتے ہیں ''ہمارا دینی نظام تعلیم'' کے نام سے ان کی کتاب بھی طبع شدہ ہے نیز " دینی مدارس کے نام ایک اہم پیغام " نامی پمفلٹ لکھ کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا گیا اور مدارس کو بھیجا گیا۔

۵۔ نصابی کتب

دینی مدارس کے لئے بعض نصابی کتب کی تیاری کا کام تدوینی مرحلے میں ہے۔ فوری طور پر مغربی فکر وتہذیب اور مغرب کے عمرانی و سائنسی علوم کے تعارفی مطالعہ پر تین کتابیں طبع کرنا پیش نظر ہے کیونکہ اس موضوع پر اردو میں بہت کم مواد میسر ہے جس سے مدارس کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی۔

۶۔ حکومتی ڈگریوں کا حصول

۲۰۰۸ء سے دینی مدارس کے فضلاء اور طلبہ کو ایف اے، بی اے، ایم اے اور ایم فل و پی ایچ ڈی کی تیاری کے پروگرام کا آغاز کر دیا گیا ہے تاکہ دینی مدارس کے طلبہ نہ صرف اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں اور انہیں اچھی ملازمت مل جائے بلکہ اس سے ان کا ذہنی افق بھی وسیع ہو تا ہے، ان کی مالی حالت بہتر ہوتی ہے اور وہ معاشرے میں اشاعت دین کا کام مزید مؤثر طریقے سے کر سکتے ہیں۔

یہ ایک مختصر سا جائزہ تھا ان اصلاحی تعلیمی سرگرمیوں کا جو تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ پچھلے کئی برسوں سے ایک فرض سمجھ کر ادا کرتا آ رہا ہے۔ اگرچہ محدود وسائل کی وجہ سے یہ کام بڑے پیمانے پر نہیں ہوسکا اور معاشرے پر اس کے مفید اثرات نمایاں نظر نہیں آتے تاہم ہر صاحبِ نظر صاف دیکھ سکتا ہے کہ یہ درست سمت میں ایک مثبت کام ہے اور اگر یہ جاری رہا اور خصوصاً اللہ کی نصرت اور احباب کے تعاون سے زیادہ وسائل میسر آ گئے اور اسے بڑے پیمانے پر کیا جاسکا تو اس کے تعمیری اثرات پاکستانی معاشرے پر ان شاء اللہ جلد واضح نظر آنے لگیں گے۔

رول ماڈل نئے تعلیمی ادارے کا قیام

سطور بالا میں مختصر تذکرہ تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ کی ان سرگرمیوں کا کیا گیا جن کے پیش نظر نظام تعلیم کی اصلاح تھا۔ اب ہم رول ماڈل تعلیمی ادارے کے قیام کے لئے ٹرسٹ کی کوششوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابتداء میں ذکر کیا گیا کہ ٹرسٹ کے پیش نظر تعلیمی ثنویت

کا خاتمہ ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ دینی تعلیم اور درس نظامی کے دیوبند ماڈل اور جدید مغرب پرستی پر مبنی علی گڑھ ماڈل کے بالمقابل ایک ایسا نیا رول ماڈل تعلیمی ادارہ سکول تا یونیوسٹی قائم کرے جو ثنویت کی بجائے وحدت کے اصول پر کام کرے، جو مذکورہ بالا دونوں رول ماڈلز کی خامیوں سے پاک ہو اور دونوں کی خوبیوں کا حامل ہو۔تاہم یہ کام چونکہ بہت زیادہ سرمائے کا متقاضی ہے اس لئے اس کام کا آغاز نہ کیا جا سکا۔اگرچہ اس کے لئے ٹرسٹ کے پاس راولپنڈی ،اسلام آباد سے ایک گھنٹے کی مسافت پر سوہاوہ۔ چکوال روڈ پر ایک ہزار کنال زمین کی آفر موجود ہے اور اس غرض سے ٹرسٹ کے منتظمین کئی اصحاب خیر اور لاہور اور کراچی کے چیمبرز آف کامرس سے گفتگو کرتے رہے ہیں لیکن اس بھاری پتھر کو ابھی تک ہلایا نہیں جا سکا۔

صفا انسٹی ٹیوٹ اور صفاء اسلامک سنٹر کا قیام

اس اثناء میں ٹرسٹ نے اس کام کی ایک عاجزانہ ابتداء کے لئے علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں ۲۰۰۸ء کے اوائل سے کرائے کی ایک بلڈنگ میں صفا انسٹی ٹیوٹ قائم کر لیا ہے۔اس انسٹی ٹیوٹ میں تعلیمی ثنویت کے برے نقصانات سے بچنے کے لئے دینی تعلیم کے فضلاء وطلبہ کو انگریزی زبان اور جدید علوم کے تعارفی مطالعے پر مبنی کورسز کرائے جا رہے ہیں اور انہیں جدید تعلیم کی ڈگریوں کے لئے تیاری کروائی جاتی ہے۔اسی طرح سکولوں ،کالجوں اور یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہونے والے اصحاب کو دینی علوم کا مطالعہ کروایا جا رہا ہے تا کہ ان کی یہ کمی بھی پوری ہو جائے۔

علاوہ ازیں صفا انسٹی ٹیوٹ میں دینی مدارس اور جدید سکولوں ہر دو کے اساتذہ کی تربیت کے پروگرام بھی منعقد کئے جا رہے ہیں تا کہ تعلیمی اصلاح کا جو کام ٹرسٹ کے پیش نظر ہے وہ آگے بڑھ سکے اور اس کے نتیجے میں اسلام کے ایک متوازن تصور کے مطابق مسلم شخصیت کی نشوونما کو فروغ مل سکے۔

اس کے علاوہ صفا انسٹی ٹیوٹ میں عمرانی علوم میں ایک ریسرچ سنٹر قائم کیا جا رہا ہے تا کہ

قریبی یونیورسٹیوں کے سوشل سائنسز (خصوصاً اسلامی علوم) کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کو تحقیق کے لئے نہ صرف موزوں موضوعات کے انتخاب میں مدد دی جا سکے بلکہ بعد میں دوران تحقیق بھی ان کو مشاورت اور رہنمائی مہیا کی جا سکے۔ اس کے علاوہ صفا انسٹی ٹیوٹ میں یونیورسٹی سطح کے نصابات کی اسلامائزیشن اور اس کیلئے میٹریل ڈویلپمنٹ کے کام کو منظم کرنے پر غور وفکر بھی جاری ہے اور اصلاح تعلیم کے لئے دیگر سرگرمیوں کو منظم کرنے کے کئی منصوبے بھی پائپ لائن میں ہیں۔

حال ہی میں تقسیم کار کی خاطر ٹرسٹ کی تعلیمی سرگرمیوں کو دو اداروں میں بانٹ دیا گیا ہے دینی سرگرمیاں صفاء اسلامک سنٹر کے نام سے اور تعلیمی اصلاح کے دوسرے کام صفاء انسٹی ٹیوٹ کے نام سے کئے جارہے ہیں۔

اہمیت

یہ ایک مختصر روداد تھی اب تک تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ کے دینی اور تعلیمی کاموں کی۔ ٹرسٹ کی شروع سے یہ خواہش و کوشش رہی ہے کہ جب تک ہمارے جدید تعلیمی نظام میں اسلامی اجزاء اور تربیت و کردار سازی کو مؤثر طور پر شامل نہیں کیا جاتا اور دینی مدارس کے موجودہ مذہبی تعلیم کے نظام کی اصلاح کر کے اسے جدید تقاضوں کے مطابق نہیں ڈھالا جاتا پاکستان کے عوام وخواص میں دین سے دوری بڑھتی جائے گی، ان کے اخلاق میں زوال آتا رہے گا اور ہم مسلمان نہ صرف دنیا میں ذلیل وخوار ہوتے رہیں گے بلکہ آخرت میں بھی ناکامی ہمارا مقدر بنے گی، **العیاذ باللہ**۔ اس لئے ٹرسٹ اس امر پر یقین رکھتا ہے اور اسی وجہ سے اسے ایک دینی فریضہ سمجھ کر ادا کر رہا ہے کہ پاکستان کا نظام تعلیم اسلام کے متوازن تصور تعلیم کے مطابق اور وحدت کے اصول پر از سرنو قائم ہو جائے تا کہ ایسے افراد تیار ہو سکیں جو باعمل مسلمان ہوں اور ایسا معاشرہ تشکیل دیا جا سکے جو مستحکم ومضبوط ہوتا کہ امت مسلمہ اپنی گم گشتہ عظمت کو دوبارہ پا سکے۔ اس تناظر میں ٹرسٹ کے کام کی اہمیت کا اندازہ ہر صاحب فکرو

نظر کر سکتا ہے۔

مالیات

ٹرسٹ کے اصلاح تعلیم کے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے دو بڑے چیلنج درپیش ہیں ،ایک مالی اور دوسرا افرادی۔ اگرچہ افرادی چیلنج بھی کم اہم نہیں تاہم ٹرسٹ کو پاکستانی یونیورسٹیوں کے بہترین اور متدین اساتذہ کی ایک ٹیم میسر ہے جسے بوقت ضرورت منظم کیا اور بڑھایا جا سکتا ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ تعلیمی اور علمی چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ٹرسٹ کے پاس افرادی قوت موجود ہے لیکن سب سے بڑا مسئلہ مالیات کی فراہمی کا ہے۔ اکثر اصحاب خیر ''دینی تعلیم'' کا یہ تصور رکھتے ہیں کہ یہ مسجد و مدرسہ قرآن و ناظرہ وحفظ کا نام ہے اور اسلامی خطوط پر جدید تعلیم کے ادارے قائم کرنا ایک کاروباری کام ہے لہذا ٹرسٹ کا نقطہ ءنظر انہیں سمجھ نہیں آتا اور وہ اس سے اتنے مطمئن نہیں ہو پاتے کہ وہ اس کا عملاً ساتھ دیں۔

ٹرسٹ کو حکومتی سرپرستی اور مدد حاصل نہیں ہے۔کسی بیرونی این جی او سے بھی اسے فنڈز نہیں ملتے یہی وجہ ہے کہ ٹرسٹ مالی مشکلات کا شکار ہے۔لہذا ہم ان سطور کے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر وہ ٹرسٹ کے کام کو تعمیری ،اسلامی اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں تو وہ دامے ،درمے ،سخنے اس کی مدد کریں تا کہ جس عظیم کام کا ٹرسٹ نے بیڑہ اٹھایا ہے وہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔

ٹرسٹ کا کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 02011478219 سونیری بنک ، مین برانچ لاہور میں ہے۔اس کے حسابات ہر سال آڈٹ ہوتے ہیں اور ہر کسی کو ان تک رسائی حاصل ہے۔

مجلس منتظمہ

ٹرسٹ کو جسٹس (ر) خلیل الرحمن صاحب (سابق جج سپریم کورٹ و ریکٹر اسلامی یونیورسٹی)، جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل صاحب (لاہور ہائی کورٹ)، مجیب الرحمن شامی صاحب (چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان)، اوریا مقبول جان صاحب (سیکریٹری اطلاعات و ثقافت

حکومتِ پنجاب)، ماہرین تعلیم میں سے جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب (سابق مرکزی وزیر مذہبی امور و صدر اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) ، اور علماء کرام میں سے مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب، مولانا مفتی محمد خان قادری صاحب، مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب اور مولانا عبدالمالک صاحب کی سر پرستی اور مشاورت کی سعادت حاصل ہے جبکہ ٹرسٹ کے تعلیمی پروگرام کو لے کر چلنے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد امین (سابق سینئر ایڈیٹر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جامعہ پنجاب اور حال چیئر مین شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور) اپنے ساتھیوں کے ساتھ دن رات کوشاں ہیں ۔

ہماری سر گرمیاں: اتحادِ امت

ملی مجلس شرعی

تعارف

فقہی و کلامی مسائل میں ہمارا اصولی مؤقف یہ ہے کہ قرآن وسنت کے تمسک کے ساتھ ساتھ ان میں توسع اور رواداری سے کام لینا چاہئے۔ یہ اصول نہیں فروع ہیں، جزئیات و تفصیلات ہیں، یہ دین نہیں مذہب و مسلک اور مکتب فکر ہیں۔ یہ ائمہ مجتہدین کی اجتہادی آراء ہیں لہٰذا ان سے وابستگی اس نوعیت کی ہونی چاہئے کہ جو شخص ان میں سے کسی ایک کی رائے کو افضل اور راجح سمجھے وہ اس پر عمل کرے اور اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے کو مطعون نہ کرے۔ آج دین کو جو چیلنج درپیش ہیں ان کا تقاضا ہے کہ دینی قوتوں اور مکاتب فکر میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی اور یک جہتی ہو۔ وہ مشترکات پر (جو بہت ہیں) اکٹھے ہوں اور اختلافات (جو اصلاً بہت کم ہیں) میں توسع اور رواداری سے کام لیں۔ ہماری اس رائے کا مظہر 'ملی مجلس

شرعی' ہے جو ہم نے پاکستان کے بڑے دینی مکاتب فکر کے معتدل الفکر علماء کرام کے ساتھ مل کر قائم کی ہے اور جس کے پیش نظر یہ ہے کہ عصر حاضر کے مسلم معاشرے کو درپیش علمی، فکری اور فقہی مسائل میں سب مکاتب فکر کی طرف سے مشترکہ اور متفقہ مؤقف سامنے لایا جائے۔ اس سے پیشتر 1992ء میں جب ہم بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی شریعہ اکیڈمی میں تدریس وتدریب سے منسلک تھے اور اسلامی نظریاتی کونسل غیر فعال تھی تو ہم نے اس طرح کی علماء و سکالرز کی ایک مجلس کے قیام کی کوشش کی تھی۔ اس میں جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب اور مولانا عبدالغفار حسن مرحوم نے ہماری بہت حوصلہ افزائی کی لیکن بعض 'مہربان' دوستوں نے یہ بیل منڈھے نہ چڑھنے دی۔ بعد میں جب ہم پنجاب یونیورسٹی کے دائرہ معارف اسلامیہ میں کام کرتے تھے تو ہم نے انہی مقاصد کے لئے 'مجلس فکر ونظر' کے نام سے ایک علمی مجلس قائم کی جس میں زیادہ تر پنجاب یونیورسٹی کے اسلامی وعربی علوم کے تحقیق وتدریس سے وابستہ پروفیسر حضرات شامل تھے۔ یہ مجلس ہر سہ ماہی اسلامی تناظر میں کسی عصری موضوع پر مقالہ لکھواتی اور پڑھواتی تھی اور پھر شرکاء اس پر تبصرہ اور بحث کرتے تھے۔ اسی طرح کی ایک نشست میں دینی مدارس پر مغربی اثرات اور دباؤ کے حوالے سے اگلا اجلاس بلانے کا ذکر آیا تو سوچا گیا کہ ایسا اجلاس یونیورسٹی کی بجائے کسی دینی مدرسہ میں ہونا چاہئے چنانچہ وہ اجلاس جامعہ اشرفیہ میں رکھا گیا اور اس میں مجلس کی دعوت پر سارے مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت کی۔ اس کے بعد سارے مسالک کے علماء کرام کے ساتھ دینی مدارس کی اصلاح اور بہتری کے حوالے سے ایک طویل ڈائیلاگ کا سلسلہ چل نکلا جو ڈیڑھ سال تک چلا اور اس محنت کے نتیجے میں مجلس فکر ونظر دینی مدارس کے لئے ایک اصلاحی پیکج سارے مکاتب فکر کے علماء کرام سے منظور کروانے میں کامیاب ہوگئی۔

دریں اثناء ہم تعلیمی اصلاح کی متنوع سرگرمیوں کے لئے تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ قائم کر چکے تھے۔ اگست 2007ء میں موسم گرما کی تعطیلات کے دوران تحریک کے زیر اہتمام دینی مدارس کے مہتمم حضرات کا ایک تربیتی پروگرام گلبرگ میں ہو رہا تھا جس میں دوران گفتگو

یہ تصور سامنے آیا کہ اہم مکاتب فکر کے علماء پر مشتمل ایک علمی مجلس بنائی جائے جس میں ان مسالک/ مکاتب فکر کے ثقہ علماء شریک ہوں اور جس میں عصری حوالے سے مسلم معاشرے کو درپیش جدید مسائل پر غور وخوض کیا جا سکے تا کہ عوام کو اسلامی حوالے سے جدید مسائل میں آگہی و رہنمائی میسر آ سکے، فرقہ وارانہ سطح سے اوپر اٹھ کر علماء کرام کا ایک مشترکہ اور اجتماعی مؤقف سامنے آ سکے جس سے اتحاد امت اور بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ ملے۔ چنانچہ اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۹ اگست ۲۰۰۷ء کو جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں ایک تاسیسی اجلاس منعقد کیا گیا جس میں 'ملی مجلس شرعی' کے نام سے ایک علمی وفکری مجلس کی بنیاد ڈالی گئی اور اتفاق رائے سے مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید کو مجلس کا کنویز اور راقم کو رابطہ سیکرٹری بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

مجلس کے تاسیسی اجلاس میں جن علماء کرام نے شرکت کی تھی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید۔ مولانا مفتی محمد خان قادری ۔ مولانا صدیق ہزاروی ۔ مولانا زاہد الراشدی۔ مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب۔ مولانا عبدالرؤف فاروقی۔ مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی۔ مولانا صلاح الدین یوسف۔ مولانا ارشاد الحق اثری۔ مولانا عبدالمالک (منصورہ)۔ پروفیسر محمد رفیق چودھری۔ ڈاکٹر محمد امین

مجلس اب تک مندرجہ ذیل موضوعات پر سارے مکاتب فکر کے جید اور ثقہ علماء کا مشترکہ موقف سامنے لا چکی ہے:

۱۔ مسئلہ تصویر اور ٹی وی کے شرعی مقاصد کے لئے استعمال کی اجازت (مطبوعہ ماہنامہ محدث شمارہ جون ۲۰۰۸ء)

۲۔ دینی مدارس کے نظام اور نصابات کی اصلاح

۳۔ پاکستانی معاشرے میں بڑھتی ہوئی عریانی و فحاشی کے انسداد اور حیاء وعفت کے فروغ کے لئے پرامن جدوجہد کو منظم ومتحرک کرنا۔

۴۔ پاکستان کی خود مختاری کے تحفظ اور امریکی مداخلت کے خاتمے کے لئے پُر امن عوامی

تحریک چلانے کی ضرورت

۵۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے متفقہ رہنما اصولوں/متفقہ تعبیر شریعت کی تدوین (جاری ہے)

مئی 2009ء میں مجلس میں توسیع کا فیصلہ کیا گیا اور اس میں ہر اہم دینی جماعت اور ادارے کے افراد کو رکنیت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔اس موقع پر جن علماء کرام کو مجلس کی رکنیت پیش کی گئی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مفتی عبید اللہ عفیف۔ حافظ عبدالغفار روپڑی۔ مولانا مفتی محمد ہاشم۔ مولانا شیخ محمد یعقوب۔ پروفیسر ظفر اقبال۔ پروفیسر عبدالرحمن لدھیانوی ۔ مولانا شفیق پسروری۔ مولانا مجیب الرحمن انقلابی صاحب ۔ مولانا ارشد ثاقب ۔ مولانا سیف الدین سیف۔ مولانا رشید میاں۔ مولانا ڈاکٹر احمد میاں تھانوی۔ حافظ عاکف سعید۔ مرزا ایوب بیگ۔ حافظ محمد ادریس۔ ڈاکٹر فرید احمد پراچہ۔ مولانا تقویم الحق۔ مولانا خورشید احمد گنگوہی۔ قاری زوار بہادر ۔ مولانا ذاکٹر سید محمد نجفی النقوی۔ مولانا مہدی حسن ۔

۱۲ جون ۲۰۰۹ء کو مجلس کے کنوینر مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے تو ان کی جگہ مولانا مفتی محمد خان قادری صاحب کو کنوینر بنایا گیا۔مجلس کے ۷ فروری ۲۰۱۰ء کے اجلاس میں مجلس کا دستور بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور مولانا خلیل الرحمن قادری صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ دستور کا مسودہ تیار کر کے مجلس میں پیش کریں ۔ چنانچہ قادری صاحب نے مجلس کے ۵ اپریل ۲۰۱۰ء کے اجلاس میں دستوری مسودہ پیش کیا جسے ارکان مجلس نے طویل مشاورت اور حکّ و اضافے کے بعد منظور کر لیا۔مجلس کے جس اجلاس میں دستور کی منظوری دی گئی اس میں مندرجہ ذیل علماء کرام شریک تھے:

مولانا مفتی محمد خان قادری۔ مولانا احمد علی قصوری۔ مولانا خلیل الرحمن قادری۔ مولانا زاہد الراشدی ۔ مولانا عبدالرؤف فاروقی۔ مولانا ڈاکٹر حسن مدنی۔ مولانا قاری شیخ محمد یعقوب۔ مولانا ابورجال (برائے مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی)۔ مولانا محمد شفیق (برائے مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی)۔ مولانا تقویم الحق (برائے مولانا عبدالمالک۔منصورہ)۔ ڈاکٹر فرید احمد

پراچہ۔ ڈاکٹر محمد امین۔

میں کہ میری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوے ہوؤں کی جستجو

تحریک اصلاح تعلیم کی سرگرمیاں

○ صفاء اسلامک سنٹر میں ۲۲ جون ۲۰۱۰ء سے طلبہ وطالبات کے لئے ۴۰ روزہ فہم اسلام سمر کیمپ کا آغاز ہوا۔

○ ۲۶ جون ۲۰۱۰ء کو 'توہین رسالت کے خلاف ردعمل کو مؤثر کیسے بنایا جائے؟' کے موضوع پر صفاء اسلامک سنٹر میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں سارے دینی مکاتب فکر کے متعدد علماء کرام اور دانشوروں نے شرکت کی۔

○ صفاء اسلامک سنٹر کے زیر اہتمام ۶ جولائی ۲۰۱۰ء کو 'اسلام اور جدید ٹیکنالوجی کا چیلنج' کے موضوع پر ایک سیمینار ماڈل ٹاؤن لائبریری میں منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر محمد امین صاحب نے تحقیقی مقالہ پیش کیا جبکہ پروفیسر جاوید اقبال ندیم صاحب (شعبہ فلسفہ، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور) اور معروف محقق جناب خضر یاسین صاحب (اقبال اکادمی، لاہور) نے اس پر تنقید و تبصرہ کیا۔ تقریب میں صاحبان علم کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

O تحریک کے صدر ڈاکٹر محمد امین صاحب نے اردو سائنس بورڈ لاہور کے ساتھ ایک مفاہمت پر دستخط کئے جس کی رو سے وہ دینی مدارس کے لئے بعض کتابیں مرتب کریں گے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب 'مغرب کے سائنسی علوم: ایک تعارفی مطالعہ' مرتب کی جائے گی۔

O عزیز احمد مرزا صاحب کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو سکولوں کے لئے اسلامی تربیت کا مینوئل تیار کرے گی کمیٹی کا پہلا اجلاس ۹ جولائی ۲۰۱۰ء کو ہوا۔ اس کمیٹی کے دیگر ارکان میں پروفیسر سید وقار علی (جامعہ پنجاب) اور ڈاکٹر محمد امین شامل ہیں۔

ماہانہ سیمینار سیریز

صفاء اسلامک سنٹر ماڈل ٹاؤن لائبریری میں ہر ماہ ایک علمی سیمینار کا اہتمام کرتا ہے۔ منگل ۱۰ اگست ۲۰۱۰ء کو ہونے والے سیمینار کا مجوزہ پروگرام یہ ہے:

موضوع: فرقہ واریت: اسباب اور علاج

مقررین: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
مدیر تعلیمات، جامعہ لاہور رحمانیہ، گارڈن ٹاؤن، لاہور

علامہ خلیل الرحمن قادری
ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
ڈائریکٹر صفاء اسلامک سنٹر، اقبال ٹاؤن، لاہور

وقت: بعد نماز عصر

سیمینار رپورٹ

اسلام اور جدید ٹیکنالوجی کا چیلنج

تحریک اصلاح تعلیم (ٹرسٹ) کے ادارے صفاء اسلامک سنٹر نے 6 جولائی 2010ء کو ماڈل ٹاؤن لائبریری لاہور میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا جس میں ڈاکٹر محمد امین صاحب نے اسلام اور جدید ٹیکنالوجی کا چیلنج کے عنوان سے تحقیقی مقالہ پڑھا جس میں انہوں نے مغربی مفکرین کے تائیدی حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مغربی ٹیکنالوجی اقدار کش اور خلاف اخلاق رجحانات پروان چڑھاتی ہے اور متبادل مذہب بنتی جارہی ہے جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مغرب کا ورلڈ ویو (تصور انسان، تصور کائنات اور تصور الٰہ) ملحدانہ ہے جس نے ایسے فلسفۂ علم کو جنم دیا ہے جو حسیات پر مبنی علم کو سراہتا اور وحی کو جھٹلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فلسفۂ علم نے جن علوم خصوصاً سائنس وٹیکنالوجی کو وجود بخشا ہے وہ مذہبی اقدار کی نفی کرتی ہیں، فطرت انسانی کے خلاف ہیں اور مادہ پرستی کو پرموٹ کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مغربی ٹیکنالوجی استعمال کرنے کی بجائے خود سائنس کو ترقی دیں، اپنی ٹیکنالوجی خود پیدا کریں اور اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ ٹیکنالوجی خلاف اسلام اقدار کو جنم نہیں دے گی کیونکہ اسلامی ورلڈ ویو (یعنی عقائد) ایسے فلسفۂ علم کو جنم دیتے ہیں جو وحی کی برتری کو تسلیم کرتا اور عقلی علوم کو وحی کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں جب مسلم معاشرے میں سائنس وٹیکنالوجی نے ترقی کی تو اس نے دینی اقدار کی مخالفت کا رجحان پیدا نہیں کیا۔

یونیورسٹی آف ایجوکیشن میں فلسفے کے معروف استاد پروفیسر جاوید اقبال ندیم صاحب نے اپنی تقریر میں ڈاکٹر محمد امین صاحب کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ ٹیکنالوجی ایک بے جان چیز ہے جس نے انسان کے لئے بے شمار سہولتیں مہیا کی ہیں اور کرۂ ارض پر زندگی کو آرام دہ بنایا ہے اسے غیر اخلاقی اور غیر اسلامی کہنا زیادتی ہے۔ کیا ہم ہوائی جہاز چھوڑ

کر دوبارہ گھوڑوں اور گدھوں پر سفر کرنا شروع کر دیں؟ مغرب میں سائنس نے جو ترقی کی ہے اور اس نے انسانیت کی جو خدمت کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ مغربی علوم کو غیر اسلامی کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ علمی ترقی کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا بلکہ اسلام تو خود علم و جستجو کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اقبال اکیڈمی کے ریسرچ سکالر اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے تلمیذ خاص جناب خضر یاسین صاحب نے ڈاکٹر محمد امین صاحب کے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ انسانیت شروع ہی سے دو گروہوں میں تقسیم چلی آ رہی ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو ماننے والا اور دوسرا نہ ماننے والا۔ انہوں نے کہا کہ ان دو گروہوں میں مفاہمت ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور دونوں دنیا میں اپنا غلبہ چاہتے ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک گروہ کے علوم وفنون دوسرے گروہ کے زیادہ کام نہیں آ سکتے۔